آل انڈیا ریڈیو سے نشر شدہ
مولانا سید ازہر شاہ قیصر مرحوم کی
مقبول تقریریں
مرتب نسیم اختر شاہ قیصر
مکتبہ طیبہ دیوبند یوپی 247554

آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر شدہ
مولانا سید ازہر شاہ قیصر مرحوم کی
مقبول تقریریں
مرتب:
نسیم اختر شاہ قیصر
ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح
۲۴۷۵۵۴
ناشر: مکتبہ طیبہ دیوبند یوپی

فہرستِ تقاریر

عنوانات	صفحات

لفظ و بیان

نسیم اختر شاہ قیصر

دیوبند کی ادبی، صحافتی اور تحریری زندگی میں والد مرحوم کا جو حصہ ہے اور انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ جو خدمت انجام دی ہے وہ یقیناً اردو ادب و صحافت کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ زندگی کے لگ بھگ ۵۰ برس ہند و پاک کے مؤقر اخبارات و رسائل میں ان کے گراں قدر مقالات و مضامین شائع ہوتے رہے خود ان کی ادارت میں کئی اخبارات اور رسالوں نے ترقی کی منزلیں طے کیں۔ انہوں نے قلم کے رشتوں کو جہاں تک ممکن ہو سکا ایک ایماندار اور سلجھے ہوئے قلمکار کی حیثیت سے بھرپور انداز میں نبھایا، بنیادی طور پر وہ اپنی تحریروں میں ایک صاف ستھرے معاشرہ کے داعی، ایک صالح اور متوازن سماج کے نقیب، ایک بلند اخلاق اور بلند کردار زندگی کے طالب اور ایک ہمدرد و غمگسار انسان کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ جو رُخ ان کی اپنی زندگی کا تھا وہی روپ ان کی تحریروں میں جھلکتا ہے وہ بلند خیالات، شگفتہ فکر، نکھرے

ہوئے ذہن، صاف ستھری سوچ کے انسان تھے اور فکر ان کا وہی تھا جو بڑوں کا طرۂ امتیاز ہے ان کو بڑوں کی صحبت کے مواقع، نامور افراد کی مجلسوں میں حاضری کی سعادت، اپنے دور کی معروف شخصیتوں کے قریب رہنے کا شرف اور اکابر کی پاکیزہ زندگیوں کو دیکھنے کا قریبی موقع ملا ان سب چیزوں نے خود ان کے افکار وخیالات کو پاکیزگی، ذہن وفکر کو جلا، اور تحریر وقلم کو وہ روشنی عطا کی جس سے انکی تحریریں سجی ہوئی تھیں۔

ان کے بہت بڑے ذخیرے میں ریڈیائی تقریروں کا وہ ذخیرہ بھی تھا جسے راقم الحروف نے محفوظ رکھنے کی کوشش کی اور خداوندِ قدوس کا شکر ہے کہ اس ذخیرہ کا ایک حصہ مقبول تقریروں کے نام سے ان کے انتقال کے مکمل دس برس بعد منظر عام پر آرہا ہے یہ خالقِ کائنات کا احسان ہے کہ اس نے اس کوشش کو عملی شکل دینے میں کامیابی عطا فرمائی۔ اس مجموعہ کی اشاعت میں جن بڑوں نے اپنی محبت اور شفقت سے نوازا ان کا میں دل کی گہرائیوں سے احسان مند ہوں یوں بھی ان حضرات کی مہربانیاں اور عنایتیں مجھے ہمیشہ حاصل رہی ہیں ان حضرات کا یہ عمل میرے لئے حوصلہ افزا ہے۔ اس کرم فرمائی کو میں خداوند قدوس کا خصوصی فضل وکرم اور امام العصر

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علوم و معارف اور خدماتِ حدیث کی مقبولیت خیال کرتا ہوں، ان بزرگوں میں خاص طور پر عم محترم حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی مدظلہ، صدر المدرسین وقف دار العلوم دیوبند۔ حضرت مولانا سید عبدالرؤف صاحب عالی، حضرت مولانا شاہین جمالی صاحب برادرم مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب مسعودی استاد وقف دار العلوم دیوبند کے نام شامل ہیں۔ اس مجموعۂ تقاریر کی اشاعت میں ان حضرات کا ممنونِ کرم ہوں۔

حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مدظلہ، کی رائے گرامی میرے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے ضعف و نقاہت، کبرِ سنی و علمی مصروفیات و معمولات کے باوجود انھوں نے نوازا یہ اللہ کا بے پایاں احسان ہے۔

میں ان سب کا شکر گذار ہوں کہ میری درخواست کو انہوں نے شرفِ قبولیت سے نوازا۔ برادرم مولانا طیب صاحب مالک مکتبہ طیبہ دیوبند نے صرفِ کثیر کے بعد اس مجموعہ کی اشاعت کا اہتمام کیا اور ان قیمتی تقریروں کو منظرِ عام پر لانے میں جو دلچسپی دکھائی اس کے لئے بھی ان کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر فرض ہے۔ خداوند قدوس ان کی محنت کو نتیجہ خیز بنائے اور

ان تقریروں کو قبولیتِ عام حاصل ہو۔ تقریروں کے اس مجموعہ کے طالبین کو بھی ربّ العزّت کامیابیوں سے سرفراز فرمائے (آمین)

یکم نومبر ۹۵ سنہ ۶

نسیم اختر شاہ قیصر
شاہ منزل محلہ خانقاہ دیو بند

منبر و محراب

مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی استاد وقف دار العلوم دیوبند

اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ جو ہاتھ قلم کے ماہر ہیں، تو زبان بیان کی سحر انگیزی سے قاصر۔ بلاشبہ دونوں خوبیوں اور خصوصیتوں کا جمع ہو جانا خداوند تعالیٰ کے فضل و عنایت ہی کا کرشمہ ہوتا ہے۔

قوتِ بیان کی اثر آفرینی اور سحر انگیزی سے کون انکار کر سکتا ہے ماہر وکیل اس کے محتاج، کامیاب مدرس اس کے ضرورتمند، قوموں و ملکوں کے قائدین اس کے دریوزہ گر، مبلّغ اس کے اسیر اور تو اور حضرات انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس کی ضرورت اور اہمیت کے معترف، خود قرآن مجید میں موسیٰؑ و ہارونؑ کا واقعہ اس پر بطورِ دلیل پیش کیا جا سکتا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ صلاحیت کسی کم، اور وہبی زیادہ ہوتی ہے۔ مقرر اپنی مشق اور تمرین سے اپنی صلاحیت کو صرف صیقل کر سکتا ہے، ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ وہ اُسے پیدا کر سکے۔

یہ مجموعۂ تقاریر جس ذاتِ گرامی کا ہے اہلِ علم اور اہلِ قلم

بخوبی جانتے ہیں کہ وہ بہترین قلمکار تھے اور تحریر کی نزاکتوں اور لطافتوں پر پورا عبور رکھتے۔ کم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ وہ ایک شعلہ بار مقرر بھی تھے۔ اگرچہ یہ مجموعہ حضرت مولانا ازہر شاہ صاحب قیصر کی ان ریڈیائی تقاریر کا ہے۔ جو لکھ کر اور مضمون کی شکل میں پڑھی جاتی ہیں، لیکن راقم الحروف نے حضرت شاہ صاحب کی تقاریر بر سر منبر بھی سنی ہیں اور اس میدان میں اُن کے زورِ بیان پر دوسروں کو سر دُھنتے دیکھا ہے۔ خاص طور سے کشمیر میں ۷۸ء میں حضرت امام العصر، حافظ الحدیث مولانا سیّد انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہ کے سلسلہ میں منعقدہ سیمنار کے موقعہ پر سرینگر کی جامع مسجد میں جمعہ کے دن جبکہ اچانک میر واعظ کشمیر مولانا فاروق مرحوم نے ان سے تقریر کرنے اور کشمیری عوام کی اس فرمائش کو، کہ حضرت علامہ کشمیریؒ کے بڑے فرزند کو سننا چاہتے ہیں بیان کیا تو وہ فوراً آمادہ ہو گئے اور ۴۵ منٹ تک انہوں نے بیان کیا جو صاف، شستہ اور حسین زبان و بیان کی چاشنی، مضمون کا دروبست یہ سب سننے اور دیکھنے کے قابل تھا۔ علم اُن کی سرشت میں تھا۔ حضرت علامہ کشمیری کے ساتھ وہ عمر کے ۵، ۶ سال خاص طور سے ڈابھیل کے زمانہ میں گذار چکے تھے۔ مقررِ اسلام اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

کے ساتھ اُن کا کافی وقت گذرا تھا، برِّ صغیر کے مشہور خطیب سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ حضرت علامہ کشمیریؒ کے شاگرد ہونے کی وجہ سے ان سے بھائی جیسا سلوک کرتے۔ اپنے دور کے مشہور مقرّرین جو اکثر و بیشتر احرار پارٹی میں جمع ہو گئے تھے اُن سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے، چنانچہ اِن سب مختلف گلوں کے رنگ اُن کی ذات میں یک رنگ ہو گئے تھے۔

بارگاہِ ربّ العزّت میں ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو اُن کے لئے درجات کی بلندیوں کا ذریعہ بنائے اور ان کو کروٹ کروٹ اپنی رحمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

حرفے چند

حضرت مولانا شاہین جمالی صاحب مدظلہ شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ

کشمیر کی وادیٔ لولاب کا حسن، سرنفک پہاڑوں کا وقار، چیڑ اور دیودار کے درختوں کی بلندی، ڈیلیشن سیبوں کی رنگینی، شیرینی اور لذت آفرینی، مغز اخروٹ و بادام کی دماغی تقویت، پہاڑی ہرنوں کا نافۂ مشک، شالیمار باغ کے بیل بوٹوں، رنگ برنگ کی کلیوں اور پھولوں کی دل کشی، ڈل جھیل کی گہرائی، حضرت بل کا تقدس خوبصورت چادروں اور قالینوں کی نقاشی، زعفران کے کھیتوں سے اڑتی ہوئی خوشبو، ملا غنی کاشمیری کی شاعری اور ان کے تخلیقی ادب کا رعب، جمال و کمال، چنار کے بلند قامت پیڑوں کی ٹھنڈک اونچے اونچے پہاڑوں سے بہنے والے آبشاروں کا ترنم، جنت ارضی کی حوروں کا فطری حسن و کشش، مرغزاروں کی پاکیزہ ہواؤں کی فرحت انگیزی، اللہ والوں کے دلوں کا سوز و گداز، علامہ اقبال کا اسلامی فکر، حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کی وسعت مطالعہ تعمق و تبحر غرض یہ کہ ان سارے اوصاف فضل و کمال کو جمع کر کے

ایک خاکہ تیار کیا جائے تو اس میں جو حسین تصویر ابھرے گی اسی کا نام ہوگا

مولانا سیّد ازہر شاہ قیصر

مولانا ازہر شاہ صاحب قیصر مرحوم ایک ایسے بلند پایہ صحافی تھے جن کی نوک قلم نے صحافت کے گیسوئے برہم کو سنوارا، ان کے تعمیری رجحانِ فکر نے صحافت کو جذبوں کی صداقت کا آئینہ دار بنایا۔ واقعات وحقائق کی سچی تصویر کشی کا پابند کیا۔ ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند کے ذریعہ اسلامی ادب کی ترویج واشاعت کی اور ہزاروں اصحاب قلم کی نوک وپلک کو درست کیا۔ اپنی مایۂ ناز تصنیف "یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ" کے ذریعہ تاریخ کی گمشدہ شخصیتوں کو بقائے دوام عطا کیا، اس کے علاوہ کئی دوسرے رسائل اور اخبارات کو ادارت کی زینت بخشی اور لکھنے والوں کی تحقیقی اور علمی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔

لیکن بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ خدا نے انہیں شیرینیٔ گفتار کا جو ملکہ اور سلیقہ عطا فرمایا تھا وہ ان کے ہمعصروں اور ان کے خوشہ چینوں کے لئے ہمیشہ قابل رشک رہا، رسالہ "دارالعلوم" کے دفتر میں ادیبوں، صحافیوں، مقرروں اور مصنفوں کی ایک بھیڑ ان کی گل افشانیٔ گفتار سے فرحتِ دل ودماغ حاصل کرنے کے لئے جمع رہتی تھی۔

وہ بولتے تھے تو دودھ میں دُھلی ہوئی زبان کا ذائقہ، کوثر و تسنیم کا صاف شفاف اندازِ بیان اور قوتِ کلام اور طرزِ استدلال کی متانت دلوں کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی، اور سننے والا بے ساختہ پکار اٹھتا تھا ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

حضرت شاہ صاحب کی تقریر میں امیر شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا رنگِ خطاب اور سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی کی ٹکسالی زبان و بیان اور شائستہ لب ولہجہ صاف جھلکتا تھا وہ بڑی خوبیوں کے مالک اور منفرد صلاحیتوں کی جامع دل آویز شخصیت تھے جنھیں مرورِ ایام اور گردشِ لیل ونہار اور وقت کے الٹ پھیر کے باوجود کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔

زیرِ نظر مجموعۂ تقاریر۔ ان کی ریڈیائی تقریروں کا ایک شاندار انتخاب ہے جو ان کے فرزند ارجمند دل بند وجگر بند برادرم مولانا سید نسیم اختر شاہ قیصر ادام اللہ سعادتہ، کی کاوش اور حضرت شاہ صاحب کی فکر ونظر سے عوام وخواص کو روشناس کرانے کی سعیٔ بلیغ کا نتیجہ ہے۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ نے برادر عزیز کو اپنے

عظیم باپ کی علمی، ادبی، صحافتی اور خطابی روایتوں کا وارث وامین بنایا ہے۔ انہیں فیضِ قدرت سے ہمہ جہت صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں جنھیں بروئے کار لاکر وہ تحریر و تقریر میں صحت مند افکار و نظریات اور سنجیدہ جذبات و پاکیزہ خیالات کے متلاشی ان خارزار وادیوں میں آبلہ پائی کے لذت آشناؤں کی تسکین کا سامان فراہم کرتے رہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کے مضامین اور تقاریر کے انتخاب کا انھیں خصوصی سلیقہ حاصل ہے اور متعدد تالیفات کے ذریعہ وہ ادبی صحافتی حلقوں پر اپنے احسانات کی چھاپ بٹھا چکے ہیں۔ خدا کرے یہ مجموعۂ تقاریر بھی ان کی پچھلی کاوشوں کی طرح مقبولِ عوام و خواص ہو اور علماء، فضلاء اور دینی مدارس کے طلباء اس سے فیض یاب ہوں۔

آج جبکہ نزدیک و دور تک سطحی تقریروں اور غیر معیاری مواعظ و خطبات کے مجموعوں کو رَٹ رٹا کر جلسوں میں سر کھپانے کا رواج عام ہوگیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس قسم کے مجموعۂ تقاریر پر خصوصی توجہ دی جائے اور مشقِ تقریر کے دوران تقریر کی اصولی خوبیوں، مثلاً بے تکلف اسلوب، سنجیدہ لب و لہجہ معلومات آفریں مضامین، دلنشین اندازِ بیان آورد اور تصنع

سے پاک صاف طرزِ ادا، الفاظ میں سلاست و روانی، دورانِ تکلم جملوں کے نشیب و فراز اور آواز کی پستی و بلندی پر حسبِ موقع نظر، سامعین کی صلاحیتوں اور دلچسپیوں کے اندازے کے مطابق سادہ اور باوقار الفاظ اور مناسبِ حال تشبیہات و استعارات کا استعمال ضروری ہے۔

الحمدللہ کہ مجموعۂ تقاریر مذکورہ بالا تمام خصوصیات پر مشتمل ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ تقریروں کے شائقین اس سے مکمل استفادہ کریں گے اور اس طرح مقررین اور تقاریر دونوں کو مقبولیت حاصل ہوگی۔۔۔

شاہین جمالی

۱۵، اکتوبر سنہ ۱۹۹۵ء

شاہ — راہِ سخن

حضرت مولانا سید عبدالرؤف عالی صاحب مدظلہٗ

مدیر پندرہ روزہ "ندائے دارالعلوم" وقف دارالعلوم دیوبند

فطرت کی اس بزمِ نشاط میں وہی زندگی سج سکتی ہے جو ایک دکھتا ہوا دل پہلو میں اور چمکتی ہوئی پیشانی چہرے پر رکھتی ہو اور جو چاندنی میں چاند کی طرح نکھر کر ستاروں کی چھاؤں میں ستاروں کی طرح چمک کر اور پھولوں کی صف میں پھولوں کی طرح کھِل کر اپنی جگہ نکال سکتی ہو۔

رواں صدی کے ایک نابغۂ وقت اور فاضل عصر کے ان مرصّع جملوں کا اطلاق جن شخصیتوں پر ہو سکتا ہے ان میں ایک شخصیت سید ازہر شاہ قیصر مرحوم کی بھی ہے جن کے قامتِ زیبا پر یہ جامہ راست آسکتا ہے۔

بالعموم ان کی قلندرانہ طبیعت حوادث واحوال سے متأثر نہ ہوتی تھی ان کا خنداں چہرہ، روشن آنکھیں، چوڑی پیشانی، کشادہ گریبان اور وضعِ آزاد مرحوم کی بے نیازانہ زندگی سے عبارت تھی۔

ان کا خندۂ فلک شگاف دہکتے دل، چمکتی ہوئی پیشانی، نکھری ہوئی چاندنی، بکھرے ہوئے تاروں اور چٹکتے ہوئے غنچوں کی بزمِ نشاط میں سجی ہوئی زندگی کا ایک بے ساختہ اظہار و اعلان تھا۔

سید ازہر شاہ قیصر مرحوم میں سرشار لکھنوی کے محبوب ہیرو "آزاد" کی طرح کھلنڈرا پن تو نہ تھا مگر فسانۂ آزاد کے اس ہیرو کی سی خوبو ضرور قدرت نے ودیعت کی تھی، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اس خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے جو دین و دانش اور علم و فضل کا گہوارہ تھا گویا خارج و باطن کے جس گرد و پیش میں مرحوم نے سانس لی وہ متضاد اوصاف کا حامل تھا لیکن طبع رسا، خداداد ذہانت، مضبوط یادداشت اور ہمت بلند نے انہیں آدابِ درس و تدریس کے ضابطوں کی سرگرانی سے محفوظ رکھا اور اپنے شوقِ مطالعہ قوتِ انشاء، صحبتِ اہلِ قلم، ہم نشینیٔ اربابِ علم اور حاضر باشیٔ مجالس نے نوعمری ہی میں ان کی فکری و ذہنی صلاحیتوں کو وہ جِلا بخشی کہ وقت کے ممتاز علماء دیوبند، معروف اخبار نویس اور مشہور زعمائے قوم نے ان کی قدر دانی کی ان کی صحبتوں میں رہ کر ان سربلندیوں تک پہنچنے کی راہیں ان کے لئے باز ہوئیں جن تک پہونچنے کے لئے مکتب و مدرسے کی چٹائیاں برسوں گھسنے اور ان قدّاو فضلاء کی

خدمت میں مدتوں کی حاضر باشی لازمی ہے اتنے کم وقت میں اور اتنی عمر میں اس طرح ابھرنے اور بڑوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہمسرانہ باتیں کرنے کے مواقع خال خال ہی کسی کو نصیب ہوتے ہیں۔

انہوں نے ہوش کی آنکھیں کھولیں تو اپنے چاروں طرف آزادی کا بگل بجتے دیکھا سیاسی جماعتوں کی ہماہمی، جلسے جلوسوں کی گہما گہمی اور لیڈروں کی صف بندیاں دیکھیں۔ صبح و شام آزادی کے ترانے کانوں میں گونجتے، ابوالکلام آزاد اور عطاء اللہ شاہ بخاری کی سحر انگیز اور جادو اثر تقریریں سنیں، حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو شیر کی طرح گرجتے برستے دیکھا، مولانا حفظ الرحمٰن کے تقریر کے سیل رواں کا لطف لیا، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کی ساون کی بارش کی طرح رم جھم کرتی اور دلوں میں اترتی خطابت کا مزہ لوٹا۔

ان کی نوعمری اور جوانی کا سارا دور انہی عظیم شخصیتوں اور بلند قامت راہنماؤں کے درمیان گذرا، پھر اسی کے ساتھ اردو کے اعلیٰ پایہ کے انشاء پردازوں، قلمکاروں، نثر نگاروں اور اونچی سطح کے شاعروں سے ان کا جو رابطہ رہا اس نے انہیں نثر و نظم کا جوہر شناس اور ایسا قلم طراز بنادیا کہ وہ صاحبِ طرز انشا پردازوں میں گنے جانے لگے۔

بلاشبہ مرحوم اصطلاحی معنیٰ میں مقرر نہ تھے مگر ان کی مجلسی گفتگو اتنی سلیس، اتنی مربوط، اتنی منضبط، اتنی مدلل اور اتنی جاذب توجہ ہوتی تھی کہ سامع ان کی بات مکمل ہونے تک ہمہ تن گوش رہتا۔

ان کی بات چیت میں سلاست، حقیقت بیانی اور جاذبیت ہوتی وہ کسی مسئلے پر بولتے وقت اس کے بنیادی گوشوں کو بڑی چابکدستی سے سمیٹ لیتے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ سننے والا اختتام گفتگو کے بعد کم از کم ذہنی طور پر اپنے کو ان کے ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور پاتا شاہ صاحب مرحوم کی سادگیٔ بیان، الفاظ کی موزونیت، جملوں کی بندش، دلائل کی قوت اور منطقی ترتیب سونے پر سہاگہ ہوتی، یہی وہ اجزا ہیں جو تقریر و خطابت کی جان ہیں۔ گو مرحوم تقریر کے عادی نہ تھے مگر جب کبھی بولنے کھڑے ہوتے تو بیان نقطہ بہ نقطہ شوشہ بہ شوشہ مربوط، مرتب اور بھرپور ہوتا۔ جس موضوع پر بولتے مناسب اور مختصر وقت میں اس کا حق ادا کر دیتے۔ راقم الحروف کو ۱۹۷۷ء کے انتخابی دوروں کے درمیان ان کے ساتھ رفاقت کا موقعہ ملا تب اندازہ ہوا کہ جیسے وہ صاحب قلم ہیں ان کی خطابت بھی اس سے کچھ کم نہیں۔

اب ان کے سعادتمند فرزند مولوی نسیم اختر شاہ قیصر ——— شاہ صاحب کی ان مقبول تقریروں کا مجموعہ مرتب

کرکے استفادۂ عمومی کے لئے شائع کر رہے ہیں جو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے اسلامی اور دینی موضوعات پر مختلف اوقات میں نشر ہوتی رہی ہیں۔

ان تقریروں میں وہی منطقی ربط، وہی زورِ بیان، وہی سلاست وہی روانی، وہی جاذبیت ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ اس لحاظ سے یہ تقریریں ان تمام نوجوان فضلاء کے لئے بہت کارآمد اور مفید ثابت ہونگی جو ملّی خدمت اور اصلاحِ معاشرہ کا کام وعظ و خطابت کے ذریعہ انجام دینا چاہتے ہیں۔ یقیناً مقبول تقریروں کا یہ مجموعہ اسم بامسمیٰ ثابت ہوگا۔ یہ بلا شبہ ایک لائق فرزند کی اپنے فائق والدِ گرامی قدر کی خدمات کے ایک گوشے کو زندۂ جاوید بنانے کی سعیٔ محمود ہے۔

عبدالرؤف عالی

آستانۂ عالی، ابو المعالی، دیوبند

۲۸ $\frac{۵}{۱۶}$ھ ۲۴ $\frac{۱۰}{۹۵}$ء

زبان و قلم

حضرت مولانا سیّد انظر شاہ صاحب مدظلہ
صدر المدرسین وقف دار العلوم دیوبند

محنت و ریاضت، تمرین و مشق سے بہت سی چیزیں حاصل کیجا سکتی ہیں کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ یہ بھی مشہور ہے کہ "گفتہ گفتہ می شود بسیار گو" لیکن جسے خدا تعالیٰ نے کچھ خاص صلاحیتوں کا امین بنایا ہو تو فطرت ان صلاحیتوں کو ابھارتی ہے اور کد و کاوش نوک و پلک درست کرتی ہے یہ نفس قدسی اپنی صلاحیتوں کی رعنائیوں کو کسبی محنتوں پر غالب کرتا ہے۔ برادرِ محترم مولانا ازہر شاہ صاحب قیصر مرحوم میرا شعور پروان چڑھ رہا تھا اور ان کا شباب انگڑائیاں لے رہا تھا اس لئے ان کا بچپن تو میرے سامنے نہیں لیکن بمصداق صاحب البیت ادریٰ بما فیہ ان کی طفولیت کو سُنا اور باقی زندگی میری ہم رکاب ہے، فطرت نے ان کی انگشتِ شہادت کو بطورِ قلم انکے ہاتھ میں دیا اور صاف ستھری زمین کو ان کے لئے قرطاس کی شکل دی، ان کا محبوب کھیل اپنی انگلی سے زمین پر لکھنا تھا، ہوش و حواس

نے بال و پر نکالے تو قلم و کاغذ کو باقاعدہ سنبھالا، سہارنپور میں اسحاق صاحب مرحوم مقامی صحافی اخبار نکالتے مرحوم بھائی اوّلاً اس کے مضمون نگار اور کچھ وقفہ سے اس کے مدیر ہو گئے۔ محلہ خانقاہ دیوبند میں احسان مرحوم، مرحوم بھائی کے ہم پیالہ و ہم نوالہ، لکھنے پڑھنے میں ہم ذوق و ہم مشرب تھے ان کی رفاقت میں "غریب" نامی اخبار شائع ہوا عمر نے کچھ اور مرحلے طے کئے تو اپنا اخبار "الانور" دیوبند سے منظر عام پر آیا۔ مرادآباد، دیوبند، لاہور، دہلی اور خدا جانے غیر منقسم ہندوستان کے اخبار و رسائل کتنی تعداد میں ہیں جن میں ان کی نگارشات شائع ہوتیں اور دادِ تحسین لیتیں۔

وہ انشاء کی نزاکتوں پر واقف، ادبِ لطیف کے شناسا، تحریر پر بے پناہ قادر، شعر فہم اور سخن شناس واقع ہوئے تھے تربیت ان کا خاص ملکہ تھا بہت سوں کو انھوں نے قلم پکڑنا سکھایا اور قلمکاری کے درس دیئے، ان کی نگارشات کے نوک پلک درست کر کے ان کو ادیب بنایا آج بہت سے ایسے صحافی اور انشاء پرداز ہیں جنھوں نے ان کی رہنمائی میں صحافت و انشاء کی مسافتیں طے کیں خود یہ ذرّہ بے مقدار برائے نام انشاء میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ سے مستفید لیکن جو کچھ لکھنے پڑھنے کی صلاحیت

اپنے پاس ہے وہ برادرِ مرحوم کی اجاگر صلاحیتوں کا پرتو ہے۔

برادر زادہ عزیز القدر مولوی نسیم اختر القاسمی استاد وقف دارالعلوم مرحوم بھائی کی ریڈیائی تقریروں کا مجموعہ طبع کرنے کے لئے ہمت افزا ہیں۔ ریڈیائی تقریریں لگے بندھے وقت کے ساتھ ہوتی ہیں ان کا خاصہ عنوان کا حق ادا کرنا نہیں بلکہ وقت کی پابندی ہے تاہم پڑھنے والوں کے لئے اس مجموعہ میں اچھوتی انشا، نایاب نگارش اور نادر مضامین مہیا ہیں۔

خدا کرے یہ مجموعہ قبولیتِ عام حاصل کرے اور مرحوم بھائی کے لئے ترقیٔ مراتبِ آخرت کا ذریعہ بنے۔ (آمین)

رائے گرامی

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم

سید ازہر شاہ صاحب مرحوم اپنی بڑی نسبت رکھنے کے ساتھ زبان و بیان کی جس صلاحیت کے مالک تھے اس کا اظہار دارالعلوم دیوبند کے ماہنامہ رسالہ " دارالعلوم " کی طویل ادارت سے بھی ہوتا ہے۔ اب ان کے صاحبزادے عزیزی مولوی نسیم اختر سلمہٗ، دینی موضوعات پر ان کی تقاریر کا جو مجموعہ شائع کر رہے ہیں وہ بھی شاہ صاحب مرحوم کی خدمات کی ایک اچھی یادگار ہے۔ حق تعالیٰ ان تقریروں کو استفادہ کرنے والوں کے لئے مفید و نافع اور شاہ صاحب مرحوم کے لئے زادِ آخرت بنائے، (آمین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبی عربی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سرکارِ دوجہاں، آقائے نامدار، جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کا وجود مسعود صانع حقیقی کی ہمہ گیر قوتوں اور طاقتوں کا دیدہ زیب کرشمہ اور اس کا کجلالانہ اور شہنشاہانہ عظمت و بزرگی کا ایک واضح ترین اعلان ہے۔ حقیقت فہم دماغوں نے ہمیشہ اس حقیقت کبریٰ کو سراہا ہے اور وہ ابدالآباد تک جناب سرور کائنات کی محترم و مقدس شخصیت کی دلربائیوں، کہربائیوں، مسحور کن خوشنمائیوں اور ان کے ان عظیم الشان کارناموں کو خراج تحسین ادا کرتے رہیں گے جو انہوں نے دنیا میں دین حق کو سربلند کرنے کے لئے انجام دیئے ہیں۔ گذشتہ تیرہ سو سال سے ہر لکھنے والا آقائے دوجہاں کے حضور میں عقیدت و محبت کے پھول نذر کر رہا ہے اور ساری دنیا ان کے گن گا رہی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ:

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم

آنحضرتؐ نے دنیا میں تشریف لا کر جو کام کئے اور کفر کے مضبوط ترین قلعے کو مسمار کرنے میں جو حیرت انگیز محنت صرف کی ان کا پایہ بے شبہ اتنا بلند ہے کہ اسلامی دنیا کے ہر فرد کو اپنی زندگی کے آخری سانسوں تک ان کی مدح و توصیف میں مشغول رہنا چاہیئے، جو لوگ ذاتی مخالفت و مخاصمت کے جذبوں اور اپنے ماحول کے خلاف بہادرانہ آواز بلند نہ کرنے کی ذلتوں میں مبتلا ہیں انہیں جانے دیجئے کہ دینے والے نے انہیں چشم بینا دی ہی نہیں ان کے سوا ان کو کروڑوں اور اربوں انسانوں کی آواز پر کان دھریئے جنہوں نے عقل و انصاف کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے گوشہ گوشہ کا مطالعہ کیا اور گہرے علم کے بعد بہت فراخدلی کے ساتھ یہ مان لیا کہ "محمد عربی صلعم"، مکہ کے ایک غریب گھرانے کا یتیم نہیں، بلکہ پیدا کرنے والے کا اعلان، اس ربّ کعبہ کی بھیجی ہوئی ایک رحمت ہے۔ جس کے ایک ادنی اشارہ پر یہ آسمانوں سے بات کرنے والے محلات، یہ بے نظیر گلزار اور بے مثال آبادیاں دھم سے زمین پر آرہنے پر مجبور ہیں وہ خدائے بلند و برتر کی آخری نعمت ہے ان تمام احسانات و انعامات کا جامع ہے جو صبحِ ازل سے لیکر شامِ ابد تک انسانوں کے لئے مقرر تھے اور ان تمام محاسن

وفضائل کا مظہرِ اتم ہے جو پروردگار حقیقی کے محبوب کے لئے مخصوص ہونے چاہئیں۔

دنیا آج جتنے نام نہاد مصلحین کے نام جانتی اور ان کے کاموں پر سر دُھن رہی ہے ہو سکتا ہے کہ وہ عام انسانوں سے کسی قدر بلند اور بے داغ زندگی کے مالک ہوں لیکن اس صفت وخصوصیت میں آج تک کوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حریف ہوا اور آئندہ نہ ہو سکے کہ ان کا ہر فعل، ہر ہر حرکت، ہر قول اور ہر عمل سچائی وصداقت کے سانچے میں ڈھلے اور وحی والہام کے ترازو میں تُلے ہوئے تھے۔ کیا دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مصلح، مجدّد اور ریفارمر اس ایثار واخلاص جذبۂ عمل، رحم وکرم، شفقت و مہربانی اور ضبط وتحمل کی صرف نقل ہی کر سکتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے طغرائے امتیاز ہیں اور جن سے عبارت ہے آنحضرت صلعم کا وجود گرامی، وہ مکہ کی طویل فقیرانہ اور مظلومانہ زندگی میں بداندیش دشمنوں کی ناقابلِ برداشت ایذا رسانیوں کے جواب میں پیکرِ رحمت کا تحمل اور اپنے ماحول کی ہر ادنیٰ واعلیٰ شیئ کی ممکن مخالفت کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے استقلال وثبات کی ایک شان کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہنے کا طریقۂ عمل اور آخر کار عرب اور عرب کے سواد دنیا کے سارے

خطوں کی مخالف طاقتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غالب آجانا اپنے مشن میں فائز المرام اور کروڑ ہا بت پرستوں کی زندگی کو عفونت انگیز غلاظت سے پاک وصاف کرنے میں کامیاب ہو جانا۔ یہ سب چیزیں اس حقیقت کی گواہ ہیں کہ غیب کی امدادیں آنحضرتؐ کے شریکِ حال تھیں، اور خود قدرت کا یہ منشا و مقصود تھا کہ وہ کائناتِ انسانی جو حق پرستانہ زندگی کی طربناکیوں اور خوشگواریوں سے دور ہو کر آتشکدۂ کفر میں گمراہی اور حق ناشناسی کے دہکتے ہوئے انگاروں پر لوٹ رہی ہے اور شدت کرب سے بے ساختہ نالہ کناں ہے۔ بگوشِ ہوش قادرِ مطلق کے آخری اعلان کو سُن لے اور آنحضرت کی شکل میں خدائے واحد و قدوس کی قدرت کاملہ کے جو آثار و علائم دنیا کی تیرہ و تار فضاؤں میں جلوہ فرما ہیں اگر دنیا ہمیشہ رہنے والی صبر آزما مصیبتوں اور عقوبتوں سے رہائی اور نجاتِ ابدی کی دولتِ گم گشتہ کو پالینا چاہتی ہے تو اس کی ہر بات اور ہر فعل کو سچا جان کر اس کی لائی ہوئی شریعت اور بتائے ہوئے دین کے آگے سر جھکا دے، کہ پیدا کرنے والے کی رضا و خوشنودی کو حاصل کرنیکا یہی ایک طریقہ، اور مشیتِ ایزدی نے انسان کو جن اغراض کے لئے

اپنا نائب و خلیفہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا ہے ان اغراض و مقاصد کی تکمیل کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ امام العصر مولائی و مرشدی حضرت مولانا محمد انور شاہ الکشمیری کا یہ شعر انہی حقائق پر محیط ہے اور اپنی جگہ نہ صرف کامیاب بلکہ بہت قیمتی ہے۔

وجودش کہ خود آیت و رایت است

ہمہ بود تمہید او غایت است

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد و اصحاب سیدنا محمد و بارک وسلم۔

شبِ براءت

مفسرین قرآن کریم کا ایک بڑا طبقہ تو اس کا قائل ہے کہ شبِ برأت کا کوئی ذکر قرآن مجید میں نہیں، مگر صاحبِ روح المعانی علامہ آلوسی نے قرآن کریم کی آیت کریمہ:

انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم۔

(ترجمہ) ہم نے اس کو (لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر) ایک برکت والی رات (یعنی شبِ قدر) میں اتارا ہے کیونکہ ہم اپنے بندوں کو آگاہ کرنے والے تھے اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے۔

کے متعلق فرمایا کہ اس آیت میں شعبان کی پندرھویں تاریخ یعنی شب برأت کا ہی ذکر ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے جس دوسرے موقعہ پر رمضان میں آنے والی شبِ قدر میں قرآن کریم کے نزول کا ذکر کیا ہے اس آیت اور اِس آیت میں باہم کوئی تعارض نہیں، اس دوسرے موقعہ پر فرمایا گیا ہے:

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر

بے شک اتارا ہم نے لیلۃ القدر میں قرآن پاک کو

مطلب یہ ہے کہ شب قدر میں قرآن مجید لوح محفوظ میں، یا لوح محفوظ سے ساتویں آسمان پر بیت المعمور میں جو بیت اللہ کی محاذات میں فرشتوں کی عبادت اور طواف کے لئے خانۂ خدا ہے نازل کیا گیا اور پھر شبِ برات میں وہاں سے آسمانِ دنیا پر نازل کیا گیا۔ خاص اس آیت انا انزلناہ فی لیلۃ القدر سے بھی شبِ برأت کی فضیلت واضح ہے پھر احادیث کی طرف آیئے تو اس رات کی عظمت و بزرگی پر کافی روشنی حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات (شب برأت) کو طلوع فرماتا ہے پس سوائے مشرک اور کینہ ور کے بقیہ سب کو بخش دیتا ہے۔

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

اذا كانت ليلةُ النصفِ من شعبانَ فقوموا ليلها و صوموا نهارها فان الله تعالىٰ ينزل فيها لغروب الشمس الىٰ سماء الدنيا فيقول الا مستغفر فاغفرله الا مسترزق

فارزقه الا مبتلیً فاعافیه، الا کذا الا کذا حتی یطلع الفجر۔

(ترجمہ) جب شعبان کی پندرہویں رات یعنی شب برأت ہو تو نماز پڑھو اور اس سے اگلے روز روزہ رکھو، شب برات میں اللہ تعالیٰ کی تجلی سورج کے غروب ہوتے ہی آسمانِ دنیا پر ظاہر ہوتی ہے اور وہ فرماتا ہے کہ تم میں کوئی بخشش چاہنے والا ہے کہ اسے بخش دوں۔ کوئی رزق لینے والا ہے کہ اسے رزق دوں کوئی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے کہ اسے چھوڑ دوں یا کوئی فلاں فلاں حاجت والا ہے کہ اس کی حاجت پوری کردوں۔ اور صبح تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہی ندا آتی رہتی ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس رات میں (یعنی شب برأت میں) کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا یارسول اللہ آپ ہی فرمائیے۔

تو آپ نے فرمایا کہ جو بچہ اس سال پیدا ہوتا ہے وہ اس رات میں لکھا جاتا ہے، اس سال میں جو ہونے والا ہوتا ہے وہ بھی لکھا جاتا ہے اس رات ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات ان کے رزق نازل ہوتے ہیں۔ تب میں نے (یعنی) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کیا کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو خدا کی رحمت کے بغیر جنت میں

داخل ہو سکے تو حضرتؐ نے فرمایا کہ کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو خدا کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل ہو سکے۔

حدیث میں ایک اور جگہ وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ میں اتنے متواتر روزے رکھا کرتے تھے کہ رمضان کے بعد اور کسی مہینے میں نہیں رکھتے تھے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ رمضان تو اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا ہے، اس میں نیک عمل کرو اور اسکی پندرہویں شب بڑی متبرک اور فضیلت والی ہے۔

امام ترمذی کی مروی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شبِ برأت میں آسمانِ دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور بکری کے بالوں سے زیادہ گناہوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔

ایک طرف تو حدیث نبوی میں شعبان کی اس رات کی فضیلت وعظمت کا تکرار اور التزام کے ساتھ یہ بیان ہے اور اس رات میں ساتویں آسمان پر حق تعالیٰ کی تشریف آوری اور پوری دنیا کے بعد کے سارے کاروبار، موت وحیات، رزق، تنگی، صحت وبیماری اور امن وجنگ کے متعلق آخری تجاویز کو منظوری دینے کی اطلاع اور اس تقریب سے اپنے بندوں کو رات بھر عبادت وریاضت میں مصروف رہنے کی تاکید ہے۔ خود آنحضرتؐ کا عمل یہ رہا ہے

کہ وہ اس پورے مہینہ میں پے در پے روزے رکھتے تھے خاص پندرہویں رات میں حق تعالیٰ کی عبادت فرماتے اور قبرستان میں تشریف لیجاکر مرحومین کے لئے ایصال ثواب فرماتے، ادھر امت کے کچھ لوگوں کا عمل دیکھئے کہ وہ شعبان کا مہینہ شروع ہوتے ہی آتشبازی روشنی اور چراغاں کا اہتمام کرتے ہیں۔ ہزاروں اور لاکھوں روپیہ پھلجھڑیوں، پٹاخوں، چھچھوندروں میں برباد ہوتا ہے۔ پندرہویں رات یکسوئی کے ساتھ عبادت الٰہی کے بجائے لہو و لعب میں گذاری جاتی ہے، گلی کوچوں میں غل غپاڑہ ہوتا ہے، مکانوں میں چراغاں کیا جاتا ہے عجیب بات ہے کہ آج کے دن حلوہ پکانے کا سبب عوام کے ذہن میں یہ ہے کہ اس دن سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور اس دن آقاء نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا دندانِ مبارک شہید ہوا تھا اور اسی تکلیف کی وجہ سے آپ نے حلوہ نوش فرمایا تھا۔ حالانکہ یہ بات خلافِ واقعہ ہے۔ مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ غزوۂ اُحد شوال المکرم میں ہوا۔ اور اس غزوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دندانِ مبارک شہید ہوا تھا۔

ماہ و سال کی گردشیں اور عمر کی طوالت انسان کے تجربات میں اضافہ کرتی ہیں اور اُسے ایک ایسی شعوری طاقت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنے نیک و بد

کی تمیز اور صحیح عمل کے لئے خود مناسب راستہ تلاش کر سکتا ہے کیا اپنی زندگی کے پندرہ سو سال گزار چکنے کے باوجود مسلمانوں کو اسکا تجربہ نہیں ہوا کہ قرآن وحدیث نے ان کی زندگی کا ایک نصب العین اور سارے مشاغل کے لئے ایک مرتب پروگرام پہلے سے بنا دیا ہے، مسلمانوں کے لئے اس پروگرام کو نظر انداز کر کے غلط رسم و رواج کا شکار بننا، واہی تباہی مشغلوں میں اپنا وقت گذارنا، بیجا خرچ اور اسراف کے راستے اختیار کرنا اور عبادت وریاضت کے ان قیمتی لمحات کو جب حق تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ خود ان کی طرف مائل ہوتی ہے خواہشات نفسانی میں گنوادینا کسی طرح بھی مفید نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں نے تعلیماتِ شریعت کو پسِ پشت ڈال کر جو زندگی اختیار کی اس کا نتیجہ ناکامی اور نامرادی کے سوا انہیں اور کیا ملا۔

افراد اور قوموں کے لئے ایک وقت ایسا آتا ہے جب انہیں اپنے اعمال اور کردار کا احتساب کرنا ضروری ہوتا ہے، مسلمانوں کیلئے محاسبۂ اعمال کا یہی وقت ہے پر اسلام کی معجزانہ طاقت اور مسلمانوں کی بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ ہر دور میں مسلمانوں کے لئے ایسے مصلحین سامنے آتے رہے جنہوں نے پوری حکمت وبصیرت کے ساتھ معاشرہ کی برائیوں کا جائزہ لیا اور مصائب کا مقابلہ کر کے امت کی اصلاح کا فرض ادا کیا۔ آج بھی اصلاح، تعمیر، انقلاب اور حیاتِ نو کی آوازیں مسلمانوں کو اپنی طرف بلا رہی ہیں۔

رمضان المبارک

رمضان کا مبارک و مسعود مہینہ پروردگارِ دو عالم کی رحمت و غفران کے تروتازہ پھول اہل اسلام پر نچھاور کرنے کے لئے۔ گیارہ ماہ کے شدید انتظار کے بعد پھر آپہونچا، خوش بخت ہیں وہ مؤمنین قانتین جو اس مہینہ میں قادر مطلق کی عبادت کر کے ثواب دارین حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

شہر رمضان کا ہر لمحہ، ہر ساعت، اور ہر گھڑی ایزدِ بے مثال کے برکات و افضال کے ناپیدا کنار دریا ہیں، باری تعالیٰ اس مہینہ میں اپنے بندوں کو اپنی نوازشِ شاہانہ کی دولت سے بہرہ ور فرمائے اور اس جہت سے یہ مہینہ سعادت و برکت کا مہینہ ہے یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس کی پہلی تاریخ کو صحفِ ابراہیم کا نزول ہوا، سات سو برس بعد چھٹی تاریخ کو حضرت موسیٰ پر کتاب توراۃ نازل ہوئی۔ پانچ سو برس کے بعد بارہویں تاریخ کو حضرت داؤدؑ پر کتاب زبور اتری بارہ سو برس بعد اٹھارہویں تاریخ کو حضرت عیسیٰؑ کو انجیل دی گئی۔

اور نزولِ انجیل کے پورے چھ سو بیس برس بعد ستائیسویں تاریخ کو خاتم رسالت فخر الاولیا، والآخرین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن عنایت فرمایا گیا۔

"شهر رمضان الذی" روزوں کا مہینہ رمضان ہے جس میں "انزل فیہ القرآن" قرآن مجید نازل ہوا۔ قرآن لوگوں کا "ھدیٰ للناس و بینات" رہنما ہے اس میں ہدایت اور حق "من الھدی والفرقان" و باطل کی تمیز کے صاف صاف احکام موجود ہیں۔

رمضان کی برکت و سعادت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس مہینہ میں زمین و آسمان کے باعظمت مالک نے اپنے بندوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے اپنے احکامات و تعلیمات کے صحائف نازل فرمائے اور انبیاء علیہم السلام کو اپنے انوار کا گنجینہ بنایا اور اپنی مخلوق کو راہ راست پر لانے کے لئے اسی مہینہ میں یکے بعد دیگرے حکمت و معرفت کے ایسے آفتاب روشن کئے جن کی کرن پاشیوں سے پورا عالم جگمگا اٹھا، رحمت و بخشش کے ایسے شیریں چشمے بہائے کہ پیاسے انسانوں نے اس کے پانی سے اپنے خشک لبوں کو تازگی بخشی اپنے سوکھے حلق کو اس سے تر کیا اور اسے حلق سے نیچے اتار کر جسم کو صاف و شفاف بنایا جسم کی صفائی نے روح کو مطہر کیا۔

غرض کہ مذکورہ بالا آسمانی کتب کی سالگرہ رمضان میں ہوتی ہے جو رمضان کے مسعود و مبارک ہونے پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہوئی پکارتی ہے کہ:

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

جسے اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنا ہو وہ رمضان میں اس کے آگے سر جھکائے اور قلب کی سچائی کے ساتھ پوری توجہ اور سرگرمی کے ساتھ اس کی عبادت کرے جس کا جی چاہے وہ ان موتیوں کو لے جسے لٹانے کے لئے رمضان آیا تشنہ کامانِ حقیقت سن لیں کہ بحرِ کرم پھر آج موجزن ہے۔

اسی مہینہ میں بندگانِ خدا پر رحمت باری کی مسلسل بارش ہوتی رہتی ہے۔ قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حضرت ابن عباس کی روایت کی بناء پر فرماتے ہیں کہ رمضان میں لیلۃ القدر کو حضرتِ حق کے فرمان پر جبریلِ امین سدرۃ المنتہی کے ستر ہزار ملائکہ کی معیت میں نورانی جھنڈے لئے سطح ارض پر جلوہ فرما ہوتے ہیں، جھنڈوں کو مکہ معظمہ مرقد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بیت المقدس اور مسجد طور سینا پر نصب کرتے ہوئے جبریل اپنے ماتحت فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ دنیا کے پردوں پر پھیل جائیں چنانچہ فرشتے ہر گھر، ہر کوٹھری، ہر حجرہ

اور ہر کشتی میں داخل ہوتے ہیں بجز ان پانچ مقامات کے جہاں کتا یا خنزیر ہو یا جہاں شراب کا دور چل رہا ہو یا جہاں زانی بغیر غسل کئے موجود ہو یا جہاں تصاویر پائی جاتی ہوں، یہ فرشتے مومنین کے گھروں میں جاکر ان کے لئے دعا و استغفار کرتے ہیں اور ان کی تسبیح و تقدیس کے غلغلے زمین سے اٹھ کر گنبد افلاک تک پہنچتے ہیں۔

لیلۃ القدر وہ مبارک رات ہے کہ جس میں عبادت کرنا ایک ہزار مہینہ کی عبادت سے افضل ہے گویا کہ رمضان ہی میں وہ رات آتی ہے جس کے انتظار میں اس کے خوش قسمت عشاق ہزارہا سیاہ راتیں غم ہجر میں بسر کرتے ہیں، رمضان ہی کے تیس دنوں میں قادر مطلق کی طرف سے یہود اور نصاریٰ کے علاوہ وابستگانِ دامن اسلام اور رسولِ ہاشمی کی امت کے لئے نفس امّارہ کو مغلوب کرنے، برے خیالات کی اصلاح، صفائی قلب اور معرفت و نور الٰہی کو سہل الحصول بنانے کے لئے روزہ رکھنے کا حکم ہوا ہے۔

جسمانی طبیب اور روحانی معالجوں کی متفقہ رائے ہے کہ شکم سیری سے اکثر امراض پیدا ہوتے ہیں، معدہ کا خالی رہنا جہاں جسمانی حیثیت سے سود مند ہے وہاں اس سے روحانی فوائد بھی وابستہ ہیں، روزہ اگر ایک طرف انسان کو بھوک پیاس کے ضبط کی عادت

ڈال کر ضرورت کے وقت بھوکا اور پیاسا ہونے کے باوجود صحیح رکھ سکتا ہے تو دوسری طرف نسوانی شہوت کا متحمل بنا دیتا ہے۔

تمرد اور سرکشی کے خاتمہ کے لئے بھوک اور پیاس کی تکلیف سے زیادہ سزا اور کوئی نہیں وہ فرعون صفت ظالم انسان یتیموں بیکسوں اور ناداروں کو ستانے اور اپنی جاہ طلبی و حشمت پسندی پر انسانوں کا خون بہانے سے دریغ نہیں کرتے جن کے سینوں میں دل نہیں ہوتا بلکہ سنگ یا آہن کا ٹکڑا ہوتا ہے، اگر ظلم و تمرد اور غرور سے باز آسکتے ہیں تو صرف بھوک اور پیاس کی تکلیف سے گھبرا کر اسی طرح قلب انسانی جو سب سے بڑا شیطان، سب سے بڑا فرعون اور سب سے بڑا متمرد ہے جو انسان کو نیکی کی روشن فضا سے نکال کر بدی کے تاریک اور گندے ماحول میں لیجاتا ہے، جو چٹکی بجانے میں دبے ہوئے خراب جذبات کو جلا دیتا ہے اور جن کا انسان کو اعمال بد کے جال میں بے بس و بیکس بلبل کی طرح پھنسا دینا بائیں ہاتھ کا کرتب ہے قابو کرنے کی بہترین تدبیر روزہ ہے۔

انسان چند اوقات میں اکثر و بیشتر اللہ کو خاص طریقہ پر یاد کرتا ہے، کسی صدمہ یا حادثہ سے متاثر ہو کر بیماریوں کے خوفناک عذاب سے تنگ آکر یا بھوک و پیاس کی شدت برداشت کرتے ہوئے

ان اوقات میں انسان بہت حد تک فضول بکواس، بیہودہ باتیں بدکاری، جھوٹ، چغل خوری، غیبت، بہتان اور اس قسم کے دوسرے برے کاموں سے منہ موڑ کر خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہے اور عاجزانہ طریقہ پر اللہ تبارک و تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہے۔

انہی اوقات میں زبان پر بُرے الفاظ نہیں آتے۔ نفسانی شہوت دب جاتی ہے خواہشاتِ بد قریب نہیں آتیں، دل میں بدکاریوں کے جذبات پیدا نہیں ہوتے بلکہ انسان کا عضو عضو اپنے اپنے طریقے پر عاجزی، فروتنی اور بیچارگی کا اظہار کرتا ہے۔ روزہ اس حیثیت سے ایک بہت ہی بڑی اصلاح کا علمبردار، معلّم حق، مدرسِ صدق و صفا اور انسان کو دنیا کی برائیوں سے بچانے کے لئے ایک سپر ہے۔ "الصّوم جنّۃ"

روزہ میں ہر صاحب ثروت مسلمان بھوک اور پیاس کی تکالیف سے باخبر ہو جاتا ہے اور پھر اس کے قلب کے رگ و ریشہ میں غرباء کی امداد کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، علماء صوفیاء اور بزرگانِ اسلام کے علاوہ مغرب کے بڑے بڑے صاحبان فہم و ادراک نے اس نظریئے کی تائید کی ہے اور بلند آواز سے کہا ہے کہ روزہ جسم اور روح

دونوں کے لئے نفع بخش ہے، قربان جائیے اس اللہ کے جس کی ادنیٰ ترین حکمت کے آگے دنیا والوں کی عقل و خرد کے رفیع الشان قصر سرنگوں ہیں کہ اس نے رمضان کے دنوں میں ان جادو بھرے الفاظ کے ساتھ

یاایّھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایام معدودات۔

مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کیا گیا ہے تاکہ تم گناہوں سے بچو وہ گنتی کے چند روز ہیں ـــــ ہمیں روزہ رکھنے کا حکم دیا اور بے اندازہ منافع سے ہمارے دامن کو بھر دیا، رمضان ہی کے پر مسرت ایام میں شیاطین کی شیطنت کی برق خاطف چشمک زنی سے باز آجاتی ہے اور انہیں بندگانِ خدا کی نیکیوں کے خرمن کو تباہ کرنے کا موقع نہیں ملتا اتنے دنوں وہ حکمِ خداوندی سے معزول و مقید رہتے ہیں اور ان کے اعضاو جوارح کو مفلوج کر دیا جاتا ہے۔ رمضان کے برکات و فضائل کا سلسلہ اتنا طویل اور لامتناہی ہے کہ اگر انہیں شمار کیا جائے تو بہت سا وقت، بہت سے صفحات، بڑی سی ہمت اور بڑا سا علم درکار ہے۔ مختصر یہ کہ اس مہینہ میں اللہ جل شانہ کی قدرت پکار پکار کر کہتی ہے کہ ہم مائل بکرم ہیں کوئی سائل آئے۔ اور بامراد واپس جائے۔ یہ مہینہ رحمتوں کا

مہینہ ہے، برکتوں کا مہینہ ہے، نیکیوں اور مسرتوں کا مہینہ ہے اور سچ تو یہ ہے کہ رحمت اور سراپا رحمت ہے۔ خود حضرت شافع روز محشر نے فرمایا ہے: هو شهر اوله رحمة واوسطه مغفرة و آخره عتق من النّار

یہ ایک ایسا بابرکت مہینہ ہے کہ جس کی ابتدا رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ عذاب نار سے آزادی ہے۔

اللہ پاک جمیع اہل اسلام کو اس مہینہ کی برکات سے تمتع اور فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جمعۃ الوداع

آج رمضان المبارک کا آخری جمعہ ہے اس کے بعد رمضان المبارک میں کوئی جمعہ نہیں آئے گا، یوں تو سب ہی دن اللہ کے ہیں لیکن بعض اہم خصوصیات کی وجہ سے تمام مہینوں میں ماہِ رمضان کی اور تمام دنوں میں جمعہ کے دن کی جو فضیلت ہے اس کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کو اللہ کا مہینہ اور جمعہ کو دنوں کا سردار بتایا ہے۔

یہ ماہِ مبارک جس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پہلے عشرہ کو رحمت اور دوسرے کو مغفرت اور تیسرے کو جہنّم سے آزادی کا عشرہ قرار دیا گیا ہے، اسی میں مسلمانوں پر سابقہ امتوں کی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں۔ جس کے بارے میں حدیثِ قدسی میں ارشاد فرمایا گیا ہے: اَلصَّومُ لِی وَاَنَا اجزی بہٖ کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ ہوں یا خود میں اس کا اجر دوں گا۔

اور یہ اس لئے کہ روزے میں ضبطِ نفس، صبر و شکر، اخوّت و مروّت اور قطعِ شہوات کے جذبات و احساسات پیدا ہوتے ہیں۔

یہی ایسی عبادت ہے جس میں ریا اور دکھلاوے کا امکان ہی نہیں ہے، رمضان کا روزہ وہی رکھتا ہے جس کے دل میں خدا کا خوف اور جذبۂ عبودیت کارفرما ہے۔ اس لئے اس کا اجر بھی سب سے زیادہ باعظمت ہے۔

پھر یہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید جیسا مقدس صحیفہ نازل ہوا، جو کلام خداوندی ہونے کی بناء پر بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا سب سے عظیم اور اسی کی ذات کی نسبت سے سب سے زیادہ قریبی تعلق رکھنے والا اور آخری تبرک ہے۔

اَلْقُرْاٰنُ کَلَامُ اللّٰہِ وَخَرَجَ مِنْہُ

قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے اور اسی میں سے نکل کے آیا ہے۔

اور جیساکہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیتوں میں سے ایک آیت میں فرمایا گیا ہے:

"آج میں نے دین کو پورا کر کے اپنی ساری نعمتوں کو تم پر مکمل کر دیا ہے"

پھر اس مہینے سے قرآن حکیم کا تعلق محض وقتی اور رنزدلی ہی نہیں ہے بلکہ دائمی ہے اسی وجہ سے ساری دنیا میں اس مہینے کے اندر بطور خاص بڑی تعداد میں قرآن پاک کی تلاوت

کی جاتی ہے، علاوہ پنجگانہ نمازوں کے ایک الگ نماز کا اس ماہِ مبارک میں اضافہ کر کے اسی میں پورے قرآن پاک کے پڑھنے کو مسنون و مستحب قرار دیا ہے چنانچہ لاکھوں کروڑوں حفاظ ہر رمضان المبارک کی مقدس راتوں میں قرآن پاک پڑھتے ہیں کیا یہ تلاوت معمولی درجہ کی چیز ہے؟ ہرگز نہیں! اوّل تو خالقِ کائنات کے کلام کو پڑھنا ہی نہیں اسکو دیکھنا، اپنے پاس رکھنا ہی سب سے بڑی سعادت ہے جسکی شہادت اسلام نے تو دی ہی ہے عقلِ سلیم بھی بے چون وچرا تسلیم کرتی ہے اسی وجہ سے از روئے حدیث صحیح اس کی تلاوت میں ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔ اور چونکہ جنّت کے درجات کی تعداد قرآنی آیات کے عدد کے مطابق ہوگی لہذا اہلِ جنّت سے کہا جائے گا کہ قرآن حکیم پڑھتے جاؤ اور درجات طے کرتے جاؤ۔ اسطرح سب سے اعلیٰ درجہ میں وہ پہنچیں گے جو آخر تک قرآن پڑھ لیں گے پھر اس کتابِ ہدایت کی تلاوت و حفاظت میں مشغول رہنے والے تو گویا سرکاری خدمت میں مشغول و منہمک ہیں تو ان کا مرتبہ سرکارِ خداوندی میں کسی سے کم ہو سکتا ہے؟ اس ماہِ مبارک کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں وہ شبِ قدر ہے جس کے بارے

میں قرآن حکیم کی شہادت یہ ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے زیادہ بلند مرتبہ ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے: انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادرٰك ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شہر۔ اور بیشک اتارا ہے ہمنے لیلۃ القدر میں قرآن پاک کو، آپکو کچھ معلوم ہے کہ شبِ قدر کیا ہے، شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

فرمایا گیا کہ اسی رات میں فرشتے اور روح القدس یعنی فرشتوں کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے امرِ خیر لے کر اترتے ہیں اور یہ رات صبح ہونے تک سراپا سلام ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ یہ فرشتے جس کو اس رات میں قیام اور رکوع وسجود اور قعود اور ذکر وتسبیح میں مشغول دیکھتے ہیں ان کے لئے دعائے سلامتی ورحمت کرتے ہیں۔

رمضان المبارک کے ان فضائل کے بعد یومِ جمعہ کے فضائل بھی سُن لیجئے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یومِ جمعہ کا یہ نام کیوں رکھا گیا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: اس لئے کہ اسی دن تم سب کے باپ آدمؑ کی مٹی کو اکٹھا کیا گیا تھا اور اسی دن قیامت قائم ہوگی اور اسی دن

لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور اسی میں تین اوقات ایسے ہوتے ہیں جن میں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس میں جو بھی دعا کی جائے وہ قبول ہوگی۔

ایک دوسری روایت میں ہے تمام دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے اسی میں حضرت آدمؑ کی پیدائش ہوئی اسی میں وہ جنت کے اندر بھیجے گئے اور پھر اسی میں وہ وہاں سے نکلے اور قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ فرشتوں، زمین، آسمان، ہواؤں اور پہاڑوں، سمندروں میں سے کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو جمعہ کے دن خوفزدہ نہ رہتے ہوں اس وجہ سے کہ اسی دن قیامت برپا ہوگی۔

اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ سب ڈرتے ہیں لیکن انسان اور جنات نہیں ڈرتے، آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ جس حاجت کے لئے بھی اسمیں دعا کی جاتی ہے قبول کرلی جاتی ہے اِلّا یہ کہ کسی ناجائز اور گناہ کی بات کے لئے دعا کیجائے ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوامامہ کا ارشاد نقل کیا ہے شاید یہ وہی وقت ہے جب امام منبر پر خطبہ دینے کے لئے جاتا ہے۔

نیز از روئے حدیث اسی دن نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور برائیاں بھی دوگنی کردی جاتی ہیں۔

رمضان المبارک اور یوم جمعہ کے الگ الگ اور مستقل و جداگانہ فضائل معلوم ہو جانے کے بعد یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں رہتا کہ یہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جائیں تو فضیلتوں میں کتنا اضافہ ہو جاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات تو رمضان المبارک کے ہر جمعہ میں ہوتی ہے آخری جمعہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور اسی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آخری جمعہ کے بارے میں جو ذہنوں میں یہ تأثر ہے کہ یہ عید الفطر اور عید قرباں کی طرح کوئی خوشی اور مسرت کا دن ہے یہ غلط ہے، ہاں اس کی ایک اہمیت اس اعتبار سے ضرور ہے کہ رمضان المبارک چونکہ اعمال کی تربیت، اخلاق کی درستگی، عقائد کی پختگی اور معاملات کی اصلاح کا مہینہ ہے اور اسی وجہ سے حدیث میں روزہ دار اور راتوں کو نمازوں میں گذارنے والے کے تمام گناہوں کی مغفرت کے لئے یہ قید لگائی گئی ہے کہ اس نے یہ قیام وصیام اپنے ظاہر و باطن کے احتساب کے ساتھ کئے ہوں۔ تو اب آخری جمعہ کا مطلب یہ ہے کہ رمضان ختم پر پہنچ چکا ہے آخری ایام کا آغاز آخری جمعہ سے ہو چکا ہے اگر کچھ غفلت ہو تو کم از کم اس وقت بیدار ہو جانا چاہیئے اور اپنی مغفرت کا بندوبست کر لینا چاہیئے۔ نہ جانے پھر یہ رحمتوں اور مغفرت اور جہنم سے

آزادی بخشنے والا مہینہ پھر مل سکے گا یا نہیں؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ آخری جمعہ یوم الغنیمت اور یوم العبرت ہے۔ نہ یہ کہ رنگ رلیاں منانے کا دن اور وہ لوگ تو اور بھی بُرا کرتے ہیں جو اس دن کچھ کھانے پینے کو مباح یا ثواب سمجھتے ہیں اس سے زیادہ جہالت اور کیا ہوگی؟۔

مسلمانوں کو اپنی ان خصوصیات ملّی کی طرف توجہ کرنی چاہئے جنہوں نے انہیں اقوامِ عالم میں ممتاز اور معاشرۂ انسانی کی اصلاح کا فرض سونپا ہے یہ صورتحال کتنی حسرتناک ہے کہ ہم تہذیبِ انساں کو ہر چھوٹی بڑی برائی سے بچانے پر مامور تھے لیکن خود آج ہماری یہ حالت ہے کہ ہر کھیل تماشہ میں ہم شریک ہیں۔ رسوم ورواج سب سے زیادہ ہمارا حصّہ ہیں۔ اور تباہ حالی کی پستیاں ہیں جن میں ہم گرتے چلے جارہے ہیں۔

عیدُ الفطر

ہر قوم، ہر ملک اور ہر تہذیب میں تہواروں، تقریبات اور عام اجتماعات کو قومی حیثیت دی گئی ہے، بعض وقت ان تہواروں اور تقریبات سے اپنی تاریخ کے کسی خاص واقعہ کو یاد رکھنا مقصود ہوتا ہے، مثلاً کسی قوم نے تاریخ کے کسی دور میں اپنے کسی دشمن پر فتح پائی یومِ فتح کو اس نے ایک قومی تقریب کی شکل دیدی، اور ہر سال اسی تاریخ کو یہ تقریب پوری شان و شوکت کے ساتھ منائی جانے لگی۔ بعض وقت اپنے بزرگوں، قومی رہنماؤں کے یومِ وفات اور یومِ پیدائش اور کسی انقلاب آفریں واقعہ کو بھی اسی اہمیت سے دیکھا گیا۔

اسلام کے علاوہ عیسائیت، بدھ مت، ہندو دھرم اور وشنو ازم نے ان تقریبات اور تہواروں کو تسلیم کیا ہے، نئی تہذیب نئی زندگی اور نئی سیاست بھی ان تقریبات کی منکر نہیں، روس میں مزدوروں کا ایک مستقل دن منایا جاتا ہے۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس میں تاریخ کے عہد آفریں واقعات کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔

اسلام روح اور جسم کو ایک مناسب توازن اور بناؤ کے

ساتھ جمع کر کے آگے بڑھنے والا مذہب ہے۔ نہ وہ رہبانیت پسند ہے کہ زندگی کے تمام رشتوں کو توڑ کر غاروں، کھڈوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہو نہ وہ ایک ہنگامہ پسند اور عیش چند روزہ کا طلبگار ہے کہ اس نے اپنا سارا وقت میلوں ٹھیلوں، شور وشغب، غل غپاڑہ عیش کوشی اور راحت طلبی میں گنوا دیا ہو، وہ جسم اور روح کے مناسب حال اجتماعات اور تہواروں کی اجازت دیتا ہے اور ان تقریبات کو پسند کرتا ہے جن میں کوئی مسلمان خوف خدا سے بے پروا، مخلوق کی خدمت سے غافل اور اپنے دینی اور دنیاوی فرائض میں سست نہ رہ جاتا ہو، اسلام روح اور بدن کے رشتہ کی نزاکت کو پہچانتا ہے نہ صرف بدن کی پرورش پر اس کی نظر ہے جس کا دوسرا نام مادیت، ایک طویل گمراہی اور زندگی کا بے مقصد بے وزن اور بے اعتبار بن جانا ہے اور نہ صرف روح کی بالیدگی اس کا مطمح نظر ہے جس کے لئے رہبانیت علیحدگی پسندی اور جمود ایک ضروری جز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلام نے رمضان کے تیس دنوں میں روزہ رکھنے، روزہ کی حالت میں بری باتوں، برے کاموں، برا سوچنے اور برا دیکھنے سے منع کیا ہے۔ روزہ روح اور جسم کی پرورش، بالیدگی اور پاکیزگی کا ایک قابل یقین پروگرام ہے یہ ایک

نیکی ہے جو انسان کو روحانیت کی طرف مائل کرتی ہے۔ مخلوق کا اپنے خالق سے رشتہ جوڑتی ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

الصّوم لی وانا اجزی بہ۔ روزہ میرا ہے اور میں ہی اس کی جزا ہوں۔

یہ نیکی نفس اور بطن کی خواہشات کو قابو میں لانے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے، غریبوں کے دکھ درد کا شریک بناتی ہے، امیروں کے مزاج کو ڈھیلا کرتی ہے، سرمایہ پرستوں کی سنگدلی کو نرمی اور مہربانی سے بدلتی ہے، روزہ دار رمضان کا پورا مہینہ اللہ کے لئے بسر کرتا ہے دن بھر روزہ کی مشقت، رات کو تراویح میں قرآن کی تلاوت، نوافل اور سنن کی کثرت، تسبیح و تہلیل، روزہ دار کا منہ دن بھر الا بلا کھانے سے بند رہتا ہے، اس کی زبان اول فول بکنے سے پرہیز کرتی ہے وہ اپنی ہر نظر کو محتاط اور ہر خیال کو پاکیزہ بنانے کی مشق کرتا ہے اس کے پاس دو روٹیاں ہوتی ہیں تو وہ کوشش کرتا ہے کہ ایک روٹی غریب پر صدقہ کردے۔

عیدالفطر رمضان کی انہی مالی اور جسمانی عبادتوں کا شکرانہ ہے، روزہ دار رمضان کے تیس روزے پورے کر کے شوال کی پہلی تاریخ کو حق تعالیٰ کے سامنے سجدۂ شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اسے رمضان کے روزے پورے کرنے اور اس پورے مہینہ میں

قسم قسم کی نیکیاں کرنے اور ساری برائیوں سے بچنے کی توفیق دی
ہر مسلمان عید کی صبح کو غسل کریگا خود بھی نئے کپڑے پہنے گا اور اپنے
بچوں کو بھی نئے اور اچھے کپڑے پہنائیگا، نماز سے پہلے صدقۂ فطر
ادا کریگا تاکہ اس قومی تقریب پر کوئی مسلمان نادار اور غریب نہ
رہے۔ کوئی گھر ایسا نہ رہے جہاں چولہے میں آگ نہ سلگی ہو اور کسی
مسلمان کی جیب رقم سے خالی ہو، صدقۂ فطر کی ادائیگی کے بعد
بستی اور شہر کے سارے مسلمان اجتماعی طور پر عید گاہ روانہ ہوں گے
یہ مسلمانوں کا ایک بڑا تہوار ہے جو پوری اسلامی دنیا میں شان
و شوکت کے ساتھ منایا جاتا ہے مگر اسلام نے اس تہوار میں
بازاری انداز اختیار کرنے اور خلافِ تہذیب طریقے برتنے سے
منع کیا ہے، خاموشی اور وقار کے ساتھ مسلمان اپنے گھروں سے
نکلیں، اجتماعی شان سے عید گاہ میں جمع ہوں نماز سے پہلے تک
اپنی زبانوں پر ذکر الٰہی جاری رکھیں، پھر نماز کی دو رکعتیں ادا کریں۔
اور حق تعالیٰ کے سامنے سر بسجود ہو کر اس کے انعامات اور احسانات
کا شکر ادا کریں، نماز سے فراغت کے بعد اپنے گھروں کو لوٹیں۔
اپنے گھر والوں کے ساتھ خوشی اور مسرت کے ساتھ وقت
گزاریں، اپنے عزیزوں اور دوستوں سے عید ملیں اور انھیں

عید کی مبارکباد دیں، اس طرح اسلام نے اپنے تہواروں میں بھی روح اور جسم کے لئے افادی پہلو قائم رکھے ہیں اور مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ قومی تقریبات کو پوری تہذیب اور شائستگی کے ساتھ منایا جائے تاکہ دیکھنے والے یہ خیال نہ کریں کہ یہ ایک بدمست اور تہذیب واخلاق سے ناآشنا قوم ہے، جن کے یہاں نہ غمی اور دردوغم کے کچھ اصول ہیں اور نہ خوشی اور مسرت وکامگاری کے کچھ قواعد۔

مختصر یہ ہے کہ عید ایک بڑا تہوار ہے جس کا تعلق ماہِ رمضان سے ہے، جس مسلمان نے ماہِ رمضان کی نیکیوں اور پرہیزگاری میں حصہ لیا ہے عید درحقیقت اسی کی ہے، مبارکباد کے مستحق ہیں وہ مسلمان جنہوں نے اپنی زندگی کو اسلامی اعمال واخلاق کے سانچہ میں ڈھالا اور رضاءِ الہٰی کے لئے روزہ کی مشقت برداشت کی۔

احرام کیسے اور کہاں باندھیں؟

بادشاہوں اور سلاطین کے یہاں حاضر ہونے اور ان سے شرفِ ملاقات پانے کے لئے کچھ خاص احکامات و آداب ہوتے ہیں۔ مخصوص لباس ہوتا ہے، سلام کرنے اور نذرانہ پیش کرنے کے قواعد ہوتے ہیں، بیٹھنے اٹھنے اور گفتگو کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ آپ اپنے گھر میں شب خوابی کے لباس میں ملبوس ہیں، ایکا ایکی بادشاہ نے آپ کو طلب کر لیا تو اسی لباس میں آپ بادشاہ کے سامنے چلے گئے، پھر گفتگو میں آپ وہ بے تکلفی نہیں برت سکتے جو اپنے گھر میں اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے آپ کا روز کا طریقہ ہوتا ہے۔ بادشاہ کے یہاں آپ پہلے حاضری کی درخواست کریں گے، بادشاہ کا وزیرِ خصوصی اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کریگا، آپ کو منظوری کی اطلاع دیجائے گی اور وقتِ مقررہ پر آپ اچھا لباس پہن کر شاہی آداب کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے بادشاہ کے سامنے پہنچیں گے، بڑے ادب کے ساتھ بادشاہ سے گفتگو کریں گے، اس کے ہر سوال کا مختصر اور

جامع جواب دیں گے، نیازمندی کے ساتھ اپنی نذر پیش کریں گے
اور جو کچھ عطیہ بادشاہ آپ کو دیگا اس کا شکریہ بجالائیں گے !

بس احرام کا باندھنا رب البیت کی بارگاہِ جلال میں حاضری کی
ابتدائی تیاری ہے، حج کے لئے بیت اللہ میں دنیا کے ہر چہار طرف
سے پہونچنے والے لاکھوں فرزندانِ توحید کیلئے میقات (وہ حد جہاں
سے انہیں احرام باندھنا ہوتا ہے) سے احرام باندھنا، بارگاہِ
خداوندی میں حاضر ہونے کے لئے خود کو تیار کرلینا، تمام محرمات سے
خود کو بچا لینا اور صرف دو چادر سے بنا ہوا احرام پہن لینا ضروری ہے
حج عشق و سرمستی اور بندگی و نیازمندی کی ایک عبادت ہے جسمیں
حاجی کا سوز و گداز قلبی، شورش و وارفتگی اور خلوص و دردمندی
اس کی سب سے بڑی دولت ہے۔ اللہ رب العالمین حج میں آنے
والے مسلمانوں کو رئیسانہ لباس، اعلیٰ درجہ کی پوشاکوں اور امیرانہ
ٹھاٹ باٹ میں نہیں دیکھنا چاہتا ہے، بلکہ وہ اسے پسند فرماتا ہے
کہ عشاق کے گروہ کے گروہ دامن دریدہ، چاک گریباں، سربرہنہ،
چہروں پر عشق الٰہی کا نور، زبانیں ذکرِ خداوندی سے تر، دل و دماغ
ایک ہی خیال میں مصروف یہ گروہ کے گروہ صرف اس کے بنکر
اس کے بندے، اس کے عاشق اور اس کے فدائی بن کر دربارِ

خداوندی میں حاضر ہوں ان اطپیدہ دل عشاق کے دامن میں ایک بھی تار نہ ہو، شاعر نے اسی حالتِ جنوں کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

از گریباں چند تارے ماندہ است

اے جنوں دستے کہ کارے ماندہ است

اور ان سوختہ جانوں کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی دولت یعنی اپنی زندگی، رب البیت کے کوکبۂ جلال کے سامنے پیش کر دینے کا پورا حوصلہ اور کامل اشتیاق ہو بس احرام یہی سب کچھ ہے اس کے قواعد وضوابط اور احکامات ایک حاجی کی زندگی کو پوری طرح ایک نئے سانچہ میں ڈھالتے بلکہ اسے ایک نئی زندگی دیتے ہیں۔

احرام گویا خلعتِ خداوندی یا دربار مولا میں حاضری کا لباس ہے جس کے بغیر ایک عاشق شوریدہ سر کو حدودِ دربار میں قدم رکھنا روا نہیں، اسی لئے اس سادہ عاشقانہ لباس میں جو محض دو سپید اور بے سلی چادروں پر مشتمل ہوتا ہے، زیب تن کرنے کیلئے کچھ حدود متعین کر دی گئیں ہیں کہ خبردار جلالِ خداوندی ان مقامات تک اسی طرح اثر انداز ہے کہ اپنے پرانے اور معصیت آلودہ لباس کو اتارے اور احرام کے پاک مقدس کپڑوں کو پہنے بغیر ان مقررہ حدود سے ایک قدم بھی آگے بڑھانا حرمِ خداوندی کی طہارت کو مجروح کرنا

ہے۔

یہ مقامات جہاں احرام باندھنا ضروری ہے اصطلاح میں میقات کہلاتے ہیں۔

اب یہ بھی معلوم ہو جانا چاہئے کہ میقات کتنے ہیں اور کس کس ملک کے لئے کون سی میقات ہے۔

ذوالحلیفہ	اہل مدینہ کیلئے	الجحفہ	اہلِ شام کیلئے
قَرنُ المنازل	اہل نجد "	یلملم	اہل یمن "
ذاتِ عرق	اہل عراق "		

جن علاقوں کے لئے جو میقات مقرر کی گئی ہے، حج عمرے کا ارادہ کرنے والے ان ہی علاقوں کے باشندے ہوں یا ان سمتوں میں دور و نزدیک کسی بھی جگہ کے ہوں بارادۂ حج و عمرہ جس کا بھی ان مواقیت میں سے کسی میقات سے یا اس کی محاذات سے گذر ہو گا، اس کے لئے اس کے آگے بغیر احرام کے جانا جائز نہ ہو گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

قال فهنّ لهنّ ولمن اتى عليهنّ من غير اهلهنّ لمن كان يريد الحج والعمرة۔

(ترجمہ) آپ نے فرمایا کہ یہ مواقیت ان علاقوں کے باشندوں کے لئے بھی ہیں

جوان سے گذر کر جائے اور حج و عمرے کا ارادہ ہو۔

چونکہ برصغیر کے مسلمان جب بحری راستہ سے مکہ مکرّمہ جاتے ہیں تو یمن کے سمندر سے گذر کر جدّہ پہونچتے ہیں اس لئے ان سب کی میقات یلملم ہوئی، جو ایک پہاڑ ہے تہامہ کے پہاڑوں میں اور مکہ مکرمہ سے پیدل یا اونٹ کے سفر کی صورت میں دو رات کی مسافت پر ہیں۔

ہمیشہ یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ یلملم کی محاذات سمندری سفر کے دوران جدّہ پہونچنے سے ایک دن پہلے ہی آجاتی ہے اس لئے تمام جہازوں میں اسی کا نظم ہوتا ہے کہ اس متعین جگہ پر پہونچ کر سگنل دیئے جاتے ہیں، تاکہ محاذات آجانے کا علم ہو جائے اور پہلے سے بذریعۂ اعلانات اس سگنل کا وقت بتلایا جاتا ہے تاکہ حجاج پہلے سے احرام باندھ کر تیار ہو جائیں۔

لیکن بعد میں ایک محقق عالم کی یہ تحقیق آئی ہے کہ اصل محاذات جدّہ اور مکہ کے درمیان جدّہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر آتی ہے اس لئے ان کے نزدیک ہرگز یہ ضروری نہیں ہے کہ جدّہ تک بھی بغیر احرام نہ پہونچا جائے بلکہ جدّہ اتر کر بھی احرام باندھ سکتے ہیں ——

مگر ہوائی سفر کرنیوالوں کے لئے یہی ضروری ہے کہ وہ بمبئی سے روانہ ہوتے وقت احرام باندھ لیں کیونکہ ہوائی جہاز میں لازماً جدّہ

پہونچنے سے پہلے محاذات آجاتی ہے۔

حج کی تین قسمیں ہیں اور تینوں کے لئے احرام باندھنا ضروری ہے!

افراد:۔ میقات سے لیکر حج کے اخیر تک کیلئے احرام باندھنا اس میں حاجی کو میقات سے احرام باندھنا ہوگا اور اسمیں عمرہ شامل نہیں!

قران:۔ میقات سے حج اور عمرہ کے لئے ایک ساتھ احرام باندھنا اگر حاجی نے حج سے پہلے عمرہ کرلیا ہے تو ابھی احرام نہیں کھلے گا اور اسے فراغت حج تک احرام پوشں رہنا پڑیگا۔

تمتع:۔ میقات سے صرف عمرہ کے لئے احرام باندھنا یہ احرام مکہ پہونچ کر طواف وسعی کے بعد کھل جائیگا اس کے بعد حاجی کو حج کے لئے دوسرا احرام باندھنا ہوگا، احرام کے لئے یہ چیزیں ضروری ہیں، حاجی پہلے غسل کرے، اپنے بدن کو پاک صاف کرے، بلند آواز سے تلبیہ

لبیك اللهم لبیك. لبیك لا شریك لك لبیك ا ن الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك

ہدایہ میں ہے کہ احرام پہننے والا ان تمام چیزوں سے دور رہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ممنوع قرار دیا ہے۔ گناہ کی بات زبان سے نہ نکلے، کسی سے جھگڑا نہ کرے، شکار نہ کرے، شکار کی طرف اشارہ بھی نہ کرے، کسی کو شکار کا پتہ بھی نہ بتائے، سلا ہوا قمیص اور پاجامہ

بھی نہ پہنے، سر پہ عمامہ بھی نہ رکھے، پیروں میں موزے نہ پہنے مگر یہ کہ اس کے پاس جوتے ہوں، تو چمڑے کے موزوں کو نیچے سے کاٹ لے، سر اور چہرے کو نہ چھپائے، خوشبو نہ استعمال کرے، تیل نہ لگائے، سر اور بدن کے کسی حصّے کے بال صاف نہ کرے، داڑھی نہ ترشوائے اور ایسا کپڑا استعمال نہ کرے جو زعفران یا کسی خوشبودار چیز سے رنگا ہوا ہو، البتہ غسل کر سکتا ہے، حمام میں جا سکتا ہے بیت اللہ اور محل کے سایہ میں آرام کر سکتا ہے کمر سے ہمیانی باندھ سکتا ہے۔ جب احرام باندھنے کا ارادہ ہو تو پہلے غسل کرے، وضو کرے دو نئے یا دھلے ہوئے کپڑے پہنے یعنی ایک تہبند اور ایک چادر میسّر ہو تو خوشبو لگائے اور دو رکعت نماز پڑھ کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے حج کی قبولیت کی دعا کرے۔ غرض کہ احرام کا اصل مقصود حاجی پر عشق و سرمستی اور عاشقانہ جنون و وارفتگی کو پوری طرح طاری کر دینا ہے۔ حج جہاں ایک عبادتِ روحانی ہے وہاں ایک عبادتِ بدنی اور عبادتِ مالی بھی ہے، جہاں اس کا مقصد تزکیۂ قلب اور تطہیر باطن ہے وہاں اس کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ حاجی تمام علائق حیات اور لباس و طرزِ زندگی میں اپنی عمر بھر کی عادتوں کو بالکلیہ ترک کر کے مجنونانہ حالت اختیار کرے اس کا لباس صرف وہی

ہو جو اپنے دربار میں حاضر ہونے کیلئے خود خداوند قدوس نے پسند فرمایا ہے۔ سر اور داڑھی کے بال بڑھے ہوئے ہوں اور وہ ان تمام محرمات سے مجتنب ہو جنھیں شارع نے یہاں مکروہ قرار دیا ہے اور ان محرمات میں سے کوئی ایک فعل بھی اس سے دانستہ یا نادانستہ سرزد ہوا تو اس کیلئے جرمانہ دم دینا پڑیگا، بادشاہوں کے دربار میں جانے کے لئے حریر و دیبا اور اطلس و کمخواب کے قیمتی ملبوسات پہننا ضروری ہیں اور انھیں حاضرین مجلس سے زیادہ سے زیادہ تکلف اور بناوٹ مطلوب ہے مگر یہ کوچۂ عشق اور ہی کوچہ ہے جہاں لرزاں اور ترساں دل، دل سے بے ساختہ نکلتی ہوئی آہ، پھٹے پرانے کپڑوں، خاک آلودہ پاؤں، عرق آلود پیشانیوں، بے ترتیب داڑھیوں غرض کہ مکمل مجنونانہ کیفیت اور عاشقانہ احوال کے نذرانے پیش کرنے ہوتے ہیں۔

اس کے سوا اور کیا پیش کش حسنِ دوست
ایک دھڑکتا سا دل ایک لرزتی سی آہ

اسلام سے پہلے کی تہذیبیں اور مذاہب

تمدّنِ انسانی کا اگر سراغ لگایا جائے اور سرا پکڑا جائے تو اس کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ ابتدائے آفرینش ایک انسانی جوڑے سے ہوئی، یہ انسانی جوڑا آدم و حوّا کا تھا اور اسی لئے دنیا میں بھیجا گیا تھا کہ اس سے دنیا میں انسانی آبادی بڑھے اور پھیلے اور ربع مسکون انسان کی عقل و فہم کی جولانگاہ بن جائے، چنانچہ جب دونوں دنیا میں آئے تو ضروریاتِ زندگی کی کوئی چیز دنیا میں موجود نہ تھی نہ لباس کا تخیّل، نہ کھانے پکانے کا یہ ڈھنگ تھا اور نہ انواع و اقسام کی خوراکیں اور غذائیں اس کے سوا اور کیا سوچا جا سکتا ہے کہ درختوں کے بڑے بڑے پتّے ان کا لباس بنے ہوں گے اور جو پھل پھلواری اس وقت سطحِ زمین پر ہوں گے وہ ان کی خوراک۔ گویا ان لوگوں کی زندگی بالکل فطری اور انتہائی سادہ تھی۔

ہبوطِ آدمؑ کے صدیوں بعد ۳۰۰۰ ق م کے لگ بھگ دریائے فرات کے قریب دیار بکر اور بغداد کے درمیان اور اس

ذرا پرے سلسلۂ کوہستان اورارارات واقع تھا اور اس کی ایک چوٹی کا نام کوہِ جودی۔ اس وقت اولادِ آدم اسی خطہ میں آباد تھی طوفانِ نوحؑ بھی اسی خطہ میں آیا۔ جس نے ساری انسانی آبادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا صرف حضرت نوحؑ کے چند مخلصین، چرند و پرند کا ایک ایک جوڑا اوران کی وہ کشتی صحیح سالم رہی جو غیبی اطلاع کی بنا پر حضرت نوحؑ نے پہلے سے تیار کرلی تھی، ابھی کچھ عرصہ گزرا روسی ماہرین اراضیات نے کوہ جودی کے قریب ایک تنگ وتاریک غار میں جو ہزاروں من برف سے ڈھکا ہوا تھا یہ کشتی برآمد کرلی ہے اور اس کا نقشہ، اس کے مختلف درجات، اس کا طول وعرض ٹھیک وہی ہے جو توریت زبور، انجیل جیسی آسمانی کتابوں میں بیان کیا گیا تھا۔

اس تقریر سے پہلے خاکسار نے نوحؑ کی کشتی پر الگ ایک مفصّل مضمون لکھ کر اس کی تاریخ بیان کی ہے۔

طوفانِ نوح کے بعد اسی سرزمین پر ایک قوم ابھری جو جو ستارہ شناسی اور سنگ تراشی میں طاق تھی، قسم قسم کے بُت مجسّمے اور اپنی پرستش کے لئے معبودانِ باطل کو بڑی چابکدستی کے ساتھ تراشنا اور انہیں اپنے کمالِ صناعی سے اصل انسانوں کے بالکل متشابہ بنا دینا اس قوم کا فن تھا۔ اس قوم کا مسکن عراق

تھا۔ جسے تاریخ نے کبھی بابل بھی کہا ہے اور کبھی کالڈیا بھی اُس کے مشہور نام ہیں، یہ قوم اپنا مستقل تہذیب و تمدّن رکھتی تھی۔ پتھر ہی ان کے معبود تھے اور پتھروں کے اسٹیچو اور مجسمے ان کا ذریعۂ معاش، توحید کا تصوّر اس قوم کے ذہن میں نہ تھا اور توحید کے مٹ جانے سے جتنے عیوب ایک قوم اور ایک فرد میں پیدا ہو سکتے ہیں ان سے یہ قوم پوری طرح آراستہ تھی۔ اسی قوم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیغامِ توحید دیا، وقت کے بادشاہوں اور فرمانرداؤں سے ان کی ٹکر ہوئی، ایک نہیں کئی قبائل سے جنگ لڑنی پڑی، بادشاہِ وقت نے آگ سے دہکتے ہوئے الاؤ میں انہیں جرمِ توحید پرستی میں ڈال دیا۔ اقبال کے اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے ؎

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

مایوس ہو کر حضرت ابراہیمؑ عراق سے شام اور شام سے مصر اور فلسطین ہوتے ہوئے حجاز آگئے، یہاں بحکم الٰہی نافِ زمین پر انہوں نے اور ان کے بیٹوں نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کی تاکہ توحید پرستی کا ایک مرکز ہو اس کے ارد گرد جو انسانی آبادی بسے وہ اس

مرکزِ توحید کی حفاظت کرے، اس کی مکانیت کی بھی، عمارت کی بھی۔ درو دیوار کی بھی اور سب سے بڑھ کر توحید کی اس روح کی جسکے قیام کیلئے جس کی رضا و تسلیم کے لیئے اور جس کی تعلیمات کو پھیلانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قوم اور ہر ملک میں ہادی پیغمبر اور رسول آتے رہے "ولکلّ قومٍ ھاد" حضرت اسماعیلؑ کا کنبہ یہاں بڑھا پھیلا چند نفوس سے چند گھر اور چند گھروں سے پوری قوم بن گئی۔ تمدّنِ انسانی نے اور ترقی کی انسان نے اپنے لئے نئے نئے ذرائع معاش تلاش کئے کھیتی باڑی اور تجارت کا شعور آیا۔ شادی بیاہ کو جائز انداز میں عمل میں لانے کا دستور پیدا ہوا رہنے سہنے کے لئے مکانات بنائے ملنے جلنے کی راہیں کھلیں۔

اس کے کچھ بعد عرب کے جنوب و مشرق میں قومِ عاد آباد رہی جو خدا کے احکامات سے نافرمانی اور تہذیبِ انسانی سے روگشتی اور سرتابی کے جرم میں اپنے گناہ آلود تمدن کے ساتھ برباد کی گئی اسکے شمال و مغرب میں قومِ ثمود تھی انسانی ضرورتیں اور وسیع ہو چکی تھیں اور انسان نے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے بہت سے وسائل اپنی عقل اور قوّتِ فکریہ و عملیہ سے حاصل کر لئے تھے۔ مگر یہ قوم بھی نیکی اور پرہیزگاری سے دور، فسق و عصیاں میں سراسر غرق

سچائی اور حیاپسندی سے نفور، نتیجہ وہی تباہی کہ خدا نے انسان کو
تمدن دیا ہے، تہذیب دی ہے، عقل دی ہے، ہاتھ اور پاؤں
دیئے ہیں، کام کرنے کے لئے جوش وجذبہ دیا ہے مگر ان سب
چیزوں کو نیکی اور خداپرستی میں صرف کرنا سب سے بڑی شرط ہے۔
جو قوم اس شرط کو پورا نہیں کرتی قدرت خود اس سے انتقام لیتی ہے
اس کی بستی کی بستیاں الٹ دیجاتی ہیں عمارتوں کا لامتناہی سلسلہ مٹی
اور پتھروں کی تودوں کی شکل میں زمین پر آگرتا ہے افراد ختم ہوجاتے
ہیں تہذیبیں مٹ جاتی ہیں اور تمدن پر موت چھاجاتی ہے۔

قوم ثمود کے قریب ہی اس سے ذرا فاصلے پر اس کے شمال
ومشرق میں جہاں آج شرق اُردن آباد ہے یہ علاقہ قوم لوط کا مسکن
تھا۔ دولت کی فراوانی، عقل کے ذخیرے، شوق وارمان، حُسن وصورت
لمبے چوڑے قد، سڈول اور ترشے ترشائے جسم، کھانے کی افراط
نعمتوں کی کثرت کیا چیز تھی جو اس قوم کو میّسر نہ تھی مگر گناہ گاری
میں یہ قوم پہلی تمام قوموں سے بازی لے گئی، پہلی قومیں اگر معاملات
میں بے ایمانی کرتی تھیں، خرید وفروخت میں استحصال تھا، عورت
کے واجبی حقوق ان کے یہاں کالعدم تھے خدا کا کوئی تصوّر اُن
کے ذہن میں نہ تھا اور کسی نبی اور پیغمبر کے بتائے ہوئے رستے

پردہ نہیں چلتی تھی تو قومِ لوط نے گناہ گاری کا ایک نیا ڈھنگ نکالا انتہائی فحش اور رکیک اور ناقابلِ بیان، حد یہ کہ حضرت لوط کے پاس آسمانی فرشتے آئے، آسمانی حسن کے پیکر، چہرے ماہِ چہاردہم کی طرح تاباں، ہاتھ پاؤں چاندی سے ترشے اور بنے ہوئے دلفریبی خوبصورتی اور نازنینی کے پیکر، قوم لوط کے اوباش نوجوان بیسیوں کی تعداد میں حضرت لوط کے گھر پر آکر جمع ہو گئے۔ اِن نو واردوں کو ہمیں دو کہ ہم انہیں اپنی خواہشاتِ نفسانی کا شکار بنائیں حضرت لوط اس موقع پر جتنے خجل، جتنے پریشان اور جتنے عاجز آئے ہوں گے وہ ظاہر ہے یہاں تک تیار ہو گئے کہ بدبختو تم میری جوان اور صالح لڑکیوں سے نکاح کر لو انہیں حبالۂ عقد میں لے آؤ جائز طریقہ پر ان سے فائدہ اٹھاؤ نگرانِ آسمانی مہمانوں کے ساتھ یہ معاملہ نہ کرو مگر بدبخت قوم کیسے باز آتی تباہی تو اس کی تقدیر تھی اور بربادی اس کا انجام۔ سسک سسک کر ساری قوم مر گئی دنیا نے بھی دیکھا کہ توحید کا اتباع و احترام نہ کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے، کس طرح بڑھتے پھیلتے پھولتے اور پھر اپنی گناہوں کے ہاتھوں مارے جاتے اور مرتے ہیں۔ سر چارلس مارٹن نے اس قوم کا زمانہ تک متعین کر دیا ہے یعنی ۲۰۹۱ سنہ قبل مسیح

اس قوم کی یادگار خصائی نہ سہی آبی آج بھی بحر مردار کے نام سے موجود ہے اس دریا میں کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ اوپر سے اگر پرندے اڑ کر جانا چاہیں تو کسی مہلک گیس کی لپیٹیں انھیں گھیر لیتیں اور چشم زدن میں یہ پرندے پھڑ پھڑا کر دریا میں گر جاتے ہیں۔ قومِ لوط کے بعد ایک اور قوم اور ایک تہذیب پردۂ وجود میں آئی اس قوم کے نبی کا نام تھا حضرت شعیبؑ، حضرت مسیح سے کوئی ۱۵۰۰ھ قبل علاقہ مدین میں خلیج عقبہ کے متصل مصر، فلسطین، عرب، بحر روم، بحر قلزم کے بیچ راستہ پڑا اس کے بعد نمبر آتا ہے مصر کا یہاں تہذیبِ انسانی کے قدم حضرت یوسفؑ کے عہد میں ۱۸۷۰ھ قائم میں پہنچ چکے تھے، اس قوم کے سربراہ فراعین کہلاتے تھے، قوم کی قوم جن گناہوں میں مبتلا تھی وہ داستان تو الگ ہے سب سے بڑا جرم یہ کہ ہر فرعونِ مصر خدائی کا دعویدار تھا ہر فرعون کے آگے اس کی رعایا سجدہ ریز رہتی تھی رعایا نہیں تھی بلکہ فراعنۂ مصر کی مخلوق، حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت ہارون نبی اللہ نے اس قوم کا مقابلہ کیا اسکی اصلاح کرنی چاہی اور خود ساختہ معبودوں کے اس ماحول میں توحید کی آواز بلند کی اس کے جواب میں جب فرعونِ وقت کی طرف سے سختی بڑھی، ظلم و ستم کے دروازے کھول دیئے گئے تو حضرت موسیٰ

نے اپنے ساتھیوں سمیت چاہا کہ فلسطین چلے جائیں راستہ میں بحر قلزم
پڑتا تھا حضرت موسیٰؑ ساتھیوں سمیت بحر قلزم پار کر کے فلسطین جانا چاہتے
تھے دریا کے دو حصے ہو گئے عین درمیان میں راستہ بن گیا اور حضرت
موسیٰؑ مع اپنی قوم کے دریا سے بحفاظت گذر گئے پیچھے پیچھے فرعونِ
وقت اپنے ہزاروں فوجیوں، پیل و پیادہ اور لاؤ لشکر کے ساتھ
حضرت موسیٰؑ کو پکڑنے کے لئے چلا آرہا تھا یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ موسیٰ
اس بحرِ ذخار کو کس طرح پار کر گئے نہ کوئی کشتی نہ کوئی سفینہ نہ کوئی
پل پھر دریا عبور کیا تو کس طرح سے جوشِ غضب میں خود بھی مع اپنی
فوج کے دریا میں کود پڑا، نہنگ اجل تاک میں تھا فرعونی فوج کا ایک
ایک سپاہی ورطۂ ہلاکت میں آگیا بڑے تنومند، پیل تن اور دیو پیکر
سپاہی تھے مگر بحرِ قلزم کی ہوش ربا موجوں کے سامنے تنکا بن کر
بہہ گئے۔ حضرت موسیٰ جزیرۂ سینا کی خشکیوں پر پہنچ گئے مشغلہ
وہی توحید پرستی اور آوازۂ توحید کو دور تک پھیلانا، حضرت موسیٰؑ چند
روز کیلئے غیر حاضر ہوئے اور اپنے بھائی ہارون کو اپنا نائب بنا گئے
سامری نام کے ایک شخص نے حضرت موسیٰؑ کی غیر حاضری سے فائدہ
اٹھایا اور قوم کی قوم کو بت پرستی میں مبتلا کر دیا ادھر چلئے ایران جہاں
اس وقت عجمی تہذیب کا بول بالا تھا، بڑے بڑے محلات تھے زرنگار

قالین، چاروں طرف جھاڑ فانوس، مومی شمعدان، دروازوں پر دلنشین پردے، عیاشی کی محفلوں میں سلقیانِ سیم و بر کا ہجوم، بازار اور دکانیں قسم قسم کے سامان سے اٹا اٹ، عورتیں یا زیورات میں لدی پھندی، مرد عیاشی اور فحاشی میں مبتلا، زرتشت نامی ایک نیک بندے نے خوب خوب ایران میں حق و صداقت کی آواز بلند کی، مگر کون سنتا ہے فغانِ درویش فردک نامی ایک شخص نے اس عیاشانہ تہذیب پر یہ آخری مُہر لگائی کہ اس کے خیال میں زر، زمین اور حد یہ کہ زن تک سب انسانوں کی مشترکہ جائداد تھی جس کا جی چاہے وہ من پسند زمین ہتھیا لے جو محل پسند آئے اس پر قبضہ کر لے جو عورت من چڑھے اسے داشتہ بنا لے، اسی آزادِ خیالی اور آزادروی کے ساتھ یہ تہذیب کیسے زندہ رہ سکتی تھی، مری ختم ہوئی اور مرنے ختم ہونے کے لئے ہی پیدا ہوئی تھی اب آیئے سرزمینِ انبیاء شام و فلسطین کی طرف، سنِ عیسوی کا ابھی شروع نہیں ہوا تھا سنِ ہجری کی ابتداء ہونے میں ۶۰۰ سال باقی تھے اس قوم میں ہدایت و اصلاح کے فریضہ کی ادائیگی حضرت یحییٰ بن زکریاؑ نے کی یہ دعوتِ حق کی پاداش میں شہید کئے گئے، حضرت یحییٰؑ کا سر ایک بازاری رقاصہ کی فرمائش پر قلم کر کے اس کی نذر کیا گیا، العیاذ باللہ، انبیاء کرام کے ساتھ یہ سلوک فلسطین اس وقت رومی حکومت کا ایک

نیم آزاد صوبہ تھا حضرت یحییٰ بن زکریا کے بعد معجزانہ انداز میں حضرت عیسیٰ اپنی مستقل تعلیمات ایک بے مثال کردار اور معیاری زندگی کے ساتھ سامنے آئے انجام ان کا بھی وہی ہوا۔ جو سابق کے انبیاء علیہم السلام کا ہوچکا تھا، یعنی رومی عدالت میں ان پر مقدمہ چلا، عیسائی، نصرانی، یہودی سب کہتے ہیں کہ انہیں سزائے موت دی گئی اور وہ سولی پر چڑھائے گئے آج بھی کسی بھی گرجا گھر اور چرچ میں جاکر دیکھئے حضرت عیسیٰ کے ایسے مجسّمے ملیں گے جن میں انھیں پھانسی پاتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ گویا تثلیث پرستوں کا بڑا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ مارے گئے ہساری قوم کی طرف سے انہوں نے کفارہ ادا کردیا مکتی اور نجات کے لئے بس عیسیٰ پر ایمان لانا، تثلیث کو ماننا اور یہ تسلیم کر لینا کہ حضرت عیسیٰ شہید کر دیئے گئے کافی ہے۔ تثلیث بجائے خود توحید کی ضد ہے کہاں یہ حقیقت کہ خدا صرف ایک ہے اپنے وجود میں ایک، اپنے ظاہر و باطن میں ایک، اپنی ابتداء اور انتہا میں ایک، اپنے ارادے میں ایک، اپنی قدرت میں ایک اور کہاں یہ عقیدہ کہ خدائی تین اجزاء سے مرکب ہے، باپ، بیٹا، اور روح القدس۔ قرآنِ کریم نے حضرت عیسیٰ

کی موت کے نظریہ کی مکمل تردید کی ہے فرمایا ہے کہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبّہ لھم بل رفع اللہ الیہ ۔ مگر چھوڑیئے یہ خالص مذہبی بحث ہے کسی مذہب یا عقیدہ کی تردید یا تصدیق میرا موضوع نہیں مجھے صرف ان تہذیبوں اور مذاہب کا ذکر کرنا تھا جو اسلام سے پہلے دنیا میں آئے اور انقلاباتِ زمانہ کا ایک ہی ریلہ انہیں بہا کر لے گیا ۔ آج کہاں ہے اولادِ آدم کی ابتدائی زندگی، کہاں ہے حضرت ابراہیم کا زمانہ ، نوح کا طوفانِ عظیم ، قومِ ثمود وعاد کی ایجاد آفرینیاں اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ کے دَور ، فراعنۂ مصر کا جاہ و جلال کہاں جا کر سو گیا ۔ قارون کے خزانوں کو کونسی زمین نگل گئی اور بہشتِ شدّاد کا کہیں نام و نشان بھی ملتا ہے ؟

حج اور عمرہ کے آداب

قدرت کا ایک نظام ہے اور کس مضبوط درد بست اور عمدگی سے کہ موسموں کی تبدیلی کے ساتھ ہی گرم و سرد پھلوں اور ترکاریوں میں تبدیلیاں ہوتی ہیں، سردیوں کا آغاز ہے برفانی ہوائیں شب و روز رواں دواں ہیں، پوری فضا سردی سے ٹھٹھرائی ہوئی اب پھل آرہے ہیں تو گرم و تر میوے چل رہے ہیں، وہ سب اس موسم کے لئے مفید، سبزیوں کی ریل پیل ہے تو موسمی تغیرات کے مناسب، ککڑیاں، کھیرے پالک اور تریاں سب گرمی کے موسم کیلئے۔

گویا کہ انسان کی ضروریات کے مطابق موسم کا تغیر سامنے رکھتے ہوئے قدرت کا ایک لگا بندھا انتظام ہے جسمیں نہ کوئی شکست و ریخت ہے اور نہ کسی جانب سے نظم میں کوئی خلل اندازی اس کے ساتھ ہی اور ایک کائنات ہے جسے روحانی کائنات کہئے، یہ کیسے ممکن تھا کہ خدائے کائنات روحانی نظام سے غفلت برتتا، چنانچہ مہینوں کے ساتھ اور موسم کی تبدیلیوں کے ہمراہ روحانی دنیا

کے لئے بھی ایک مضبوط پروگرام قائم کر دیا گیا، آپ صبح و شام مُنہ دھوتے ہیں، کلّی کرتے ہیں اور دانتوں کی صفائی بلکہ ایک مستعد طبقہ صبح کے غسل کو جسمانی صحت کے لئے ضروری قرار دیتا ہے۔ روح کی طہارت و پاکیزگی کیلئے بھی خدائے تعالیٰ کی جانب سے اسی طرح کا ایک نظم قائم کیا گیا، روح کو ضرورت ہے صفائی کی ستھرائی کی، نظافت کی، نُزہت کی، پاکیزگی کی اور نیکی پسندی کی۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے بھی کچھ اسباب و وسائل درکار ہیں، شعبان کا مہینہ آیا جسے پیغمبر اسلامؐ نے اپنا مہینہ قرار دیا ہے اس میں روزے نفلی رہے اور بندے کی جانب سے عبادات کا اہتمام ہوا، لیلۃ البرأت آئی جو بندگانِ خدا کیلئے انعام و رستگاری کی رات ہے، بندہ سراپا تقصیر گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے اس لئے یہ رات گناہوں سے توبہ کیلئے اور خدائے غفّار کی جانب سے مغفرت کے لئے مخصوص ہے۔ رمضان کی آمد، آمد ہے روزوں کی فرضیت، عبادات کا اہتمام، شب و روز قرآن کی تلاوت کا شغل، کھانا پینا ترک، بیوی سے علیحدگی اور آخر دہے میں گھر کو بھی چھوڑ کر مسجد ہی کو اپنا مکان بنا لینے کا حکم ہے، موسمِ بہار شروع ہوتا ہے تو طبّ یونانی نے مصفّیات تجویز کئے جاڑے آتے

ہیں تو اطباء، مقویات تجویز کرتے ہیں۔

گویا کہ جسم کو صاف کرنے کے بعد اب طاقت اور قوت میں اضافہ! روحانی عالم میں روزوں سے تصفیہ کے بعد روح کی تقویت کیلئے رمضان سے متصل مہینے یعنی شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ، ایک عظیم عبادت کے نام سے مخصوص! اس میں گھر بھی چھوڑیئے اور وطن بھی اعزہ و اقارب کو بھی چھوڑیئے اور خاندان و قبیلے کو بھی، مسافرت طویل، سفر میں اجنبیت اور اجنبیوں سے سابقہ۔

تا آنکہ وہ وقت بھی آپہنچا کہ سلے ہوئے کپڑوں سے بھی پرہیز بس انسان کا آخری لباس یعنی کفن کے ہم شکل جسم پر احرام ——— قرآن نے بتایا ہے کہ یوم آخرت میں انسان کے پاس کچھ بھی نہ ہوگا نہ ریاست وجاہت نہ عزت و امارت، نہ دوستوں کا ہجوم، نہ رشتہ داروں کا جم غفیر، نہ بیوی بچے، نہ شناسا و متعارف، جسم پر کفن اور ہاتھ میں نامۂ اعمال ہوگا، اسی کو قرآن مجید نے اپنے بلیغ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:

کلّ انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ ونخرج لہ یوم القیٰمۃ کتابا یّلقٰہ منشورا۔

(ترجمہ) ہر انسان کی قسمت اس کی گردن میں ہے اور ہم قیامت کے

دن اس کا پروانہ جاری کریں گے جو اسے کھلے طور پر لیگا۔

بلکہ قرآن ہی کا بیان ہے کہ محشر میں نفسا نفسی کا وہ عالم ہوگا کہ خود انسان اپنوں سے بھاگے گا۔ ملنا جلنا درکنار، کیسی مدد کہاں کی امداد بلکہ گریز و فرار!

یوم یفر المرأ من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ لکل امرئ منھم یومئذ شأن یغنیہ ؕ

(ترجمہ) آج وہ سخت دن ہے کہ آدمی اپنے بھائی اپنے ماں باپ اپنی بیوی اور جگر گوشہ سے بھاگ کھڑا ہوگا اور ہر شخص کے لئے آج کا دن ایسی حالت ہوگی جس سے اسے خود نمٹنا پڑیگا۔

محشر کے ان ہنگاموں کا مشاہدہ منیٰ و عرفات اور مزدلفہ میں ہوتا ہے، حاجی احرام کو پہنے ہوئے ہے بلکہ اپنے جسم سے کفن لپیٹے ہوئے ہے۔ لبیک لبیک کی صدائیں وردِ زبان ہیں، گویا کہ حضوریٔ حق میں حاضری کی اطلاع صرف بغل میں چھوٹا سا بیگ ہے جس میں حاجی کا کل سرمایہ ہے، نامۂ اعمال محشر میں داہنے یا بائیں ہاتھ میں ہوگا عرفاتی میدان میں بغل میں۔ بقول الشاعر ؎

روز محشر ہر کسے در دست گیرد نامہ
من نیز حاضری شوم تصویر جاناں در بغل

اور یہ سب کچھ کیوں نہ ہو، حج یادگار ہے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے جاں سپار بیٹے اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پیکر وفا بیوی حضرت ہاجرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ——

ابراہیمؑ کون تھے ؟ صرف ایک پیغمبر نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کے ہر حکم پر تعمیل کے جذبہ سے سرشار، اطاعتِ رب میں ایسے سرگرم کہ کسی بھی حکم کی تعمیل میں چون وچرا کا سوال ہی نہ تھا، حکم ہوا کہ گھر کو چھوڑ دو! ابراہیمؑ اس حکم کی اطاعت کے لئے تیار دوسرا امر تھا وطن بھی ترک کر دو خدا کا یہ وفادار بندہ اس کیلئے بھی آمادہ، رفیقۂ حیات کو لختِ جگر کے ساتھ غیر آباد علاقہ میں چھوڑ آؤ! ابراہیم اس شاق حکم کی تعمیل میں مصروف ہو گئے، نوجوان بیٹے کی قربانی بنامِ خدا کرو، بوڑھا باپ دستِ ناتواں میں چھری سنبھالے ہوئے یہاں بھی سرگرم کار، گویا کہ پوری زندگی اطاعت و فرمانبرداری کا مظاہرہ سپردگی و ایثار کا ایک حسین معاملہ اسی وجہ سے قرآن میں ہے!

اذ قال لہٗ ربّہ اسلم قال اسلمت لربّ العالمین

جب ان کے پروردگار نے ان سے کہا فرمانبرداری کا ثبوت دو، کہا کہ ہم نے اطاعت گذاری کی رب العالمین کیلئے۔

اور انہی دشوار گذار مرحلوں کے گذرنے کے بعد اطلاع دی گئی :

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۔

جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے چند کلمات کے ساتھ آزمایا تو اس نے ان سب کو پورا کر دکھایا۔

جب حاجی نے اس مقدس و برگزیدہ پیغمبر کی راہ اپنائی تو ضروری ہے کہ ظاہر و باطن میں انہی کا نمونہ ہو، اطاعت کا پیکر ہو، تعمیل میں سرگرم ہو، مامورات کو بجالائے، منہیات سے بچے آداب حج کا اہتمام ہو اور اس عظیم عبادت کے فرائض و واجبات، سنن و مستحبات کو ادا کرنے میں منہمک رہے۔

آداب ! وہیں سے ان کا آغاز ہے جہاں سے اس طول و طویل سفر کی ابتدا ہے، سب سے پہلے حسنِ نیّت اور اخلاص کا اہتمام ہے، اس لئے ارشاد نبوی ہے: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ خدانخواستہ اگر نیت میں کھوٹ ہے مقصد اگر عبادت نہیں بلکہ سیر سپاٹا، تزکیۂ روح نہیں بلکہ ایک تفریح ہے، متاعِ دین کی خریداری کے بجائے متاعِ دنیا کی لگن ہے، مکہ و مدینہ کی مارکیٹ میں موجود نِت نئی مصنوعات کو کھینچ کر لانا اور ان سے اپنے گھر کو بھر لینا، کسٹم میں جھوٹ، آفیسران کو دھوکہ دینا، حکومت کے قوانین کی پابندی نہ کرنا، بلکہ اپنی من مانی کر گذرنا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تنبیہی پیغام

کو بھی پیش نظر رکھئے :

فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهُ اِلٰى مَاهَاجَرَ اِلَيْهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوْ اِلٰى اِمْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ اِلٰى مَاهَاجَرَ اِلَيْهِ ۔

(ترجمہ) جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوگی پس اسکی ہجرت اس کے لئے ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہے اور جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہوگی کہ وہ اسے حاصل کرلے یا کسی عورت کے لئے ہوگی کہ اس سے اس کی شادی ہوجائے پس اس کی ہجرت اسی کام کے لئے سمجھی جائے گی جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔

اسی لئے زائر حرم کو سب سے پہلے اپنی نیت کا جائزہ لینا ضروری ہے، بلا شبہہ تنبیہہ ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن ابن علیؓ کا ارشاد ہیکہ ـــــ حاجی کے لئے وداع بھی ہو اور اس کا استقبال بھی، مگر یہاں بھی اس پابندی کیساتھ کہ نہ حاجی خود اس وداع کا منتظر ہو اور نہ انتظار خیر مقدم رکھتا ہو، نہ پھولوں کے ہار، نہ گلدستے بس خود کو مردہ سمجھے اور ساتھ جانیوالے کا شریک کیسی ریا، کیسی نمود ہر چیز پر یہاں پابندی بلکہ قدم قدم پر جکڑ بندی اور جب حج کا ارادہ کرلیا تو حاجی زمرۂ حجاج میں شریک ہوگیا۔

گویا کہ میت مردوں میں مل گئی، کہیں مردے آپس میں لڑتے ہیں جھگڑتے ہیں، برائی کرتے ہیں، ریا کاری کرتے ہیں؟ نہیں! نہیں ! ! کچھ بھی نہیں!!! اسلئے دوسرا ادب حج کا سامنے یہ آیا :

فمن فرض فیهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔

جس شخص نے ان دنوں میں حج کا فریضہ ادا کیا پس نہ اسمیں بیہودہ گوئی ہے نہ فسق وفجور اور نہ حج میں کوئی لڑائی جھگڑائی ہے۔

کس قدر بلیغ حکم ہے آمر مطلق کا یہلی توجیہہ تو اس حکم کی اوپر گذری، دوسرا لگے ہاتھ اس کا یہ فائدہ یا نفع عاجل کہ اتنے بڑے اجتماع میں جہاں لاکھوں کا ہجوم ہو، اجنبیت کا ماحول ہو اور اجنبیوں سے سابقہ، اگر حاجی اس حکم پر عمل نہ کرے تو آپسمیں کٹ کٹ کر مریں، خدائے تعالیٰ کے اس سراپائے حکمت حکم کی حقیقی افادیت اس سفر ہی میں واضح ہوتی ہے۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ قدم قدم پر اپنے گناہوں کا احساس، ان پر جذبۂ استغفار، رجوع وانابۃ الی اللہ میں سرگرم کار ہے۔

حدیث میں ہے کہ: "قبر میں ہر ایک آنیوالا مبتلائے حسرت ہوگا ناکارہ کو یہ خیال کہ کچھ کر کیوں نہیں لیا؟ نیکوکار کو یہ

تڑپ کہ حسنات میں اور اضافہ کیوں نہ کر لیا؟ حاجی کو بھی چاہیئے کہ اپنی پچھلی زندگی کو یاد کرے، اپنے ایک ایک گناہ و تقصیر کو خیال میں لائے، کبھی چپکے چپکے معافی کا طالب ہو تو کبھی گڑگڑائے، مجرم کو دیکھا ہوگا کہ کبھی معافیاں مانگتا ہے تو کبھی حاکم کو خوش کرنے کی جدوجہد میں لگتا ہے۔ حج کرنیوالے پر بھی ان ہی کیفیات کا بھرپور ورود ہونا چاہیئے، کبھی رو رہا ہے، کبھی چلّا رہا ہے، ابھی مصروفِ استغفار تھا تو ابھی مشغولِ عبادت ہے، گویا کہ اپنے ہی میں مصروف اور سب سے بے خبر اس کی طرف آگہی اور ہر جانب سے ناآشنا، جسم پر سے سلے ہوئے کپڑے اتارے احرام کا کفن اپنے ہاتھوں سے پہنے تو اب اپنے آپکو حقیقی مردہ سمجھے مردہ بدست غسال کی بات تو بارہا سنی ہے آجکی یہ تیاری عجیب و غریب ہے جو اپنے ہاتھوں سے اپنے آپکو تیار کر رہی ہے بس وہ اس فرق کے ساتھ موت بے اختیاری تھی یہ موت اختیاری اور اختیار سے جو چیز اپنائی جائے اس میں اور بھی سلیقہ و قرینہ کی ضرورت ہے، جہاز سے قدم اتارا گویا کہ برزخ سے میدان حشر میں قدم رکھا یہاں وہی بات ہے ـــــــ جو اردو کے کسی شاعر نے کہی ہے ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے ❊ پیشی کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے۔

جدّہ سے مکّہ معظمہ تک نہ مسافت لمبی چوڑی ہے اور نہ دور دراز کی، اب سامنے حرم ہے یعنی تجلّیات ربّانی کا مرکز، انوارِ الٰہی کا مہبط بالفاظ دیگر جلوۂ جاناں سامنے ہے اور مکانِ محبوب پیش منظر، ٹھیک ایک عاشق کے انداز میں اُسے لپٹے چپٹے، چومے چاٹے، بلائیں لے اور اس پر قربان ہو، کبھی روئے، کبھی تڑپے، کبھی بے چین ہو، کبھی بلبلائے گویا کہ یہ چوتھا ادب تھا خانہ کعبہ کیسا تھ ۔

آٹھویں ذی الحجہ ہے اب عرفات کے لئے تیاریاں ہیں پھر وہی موت کا منظر وہی محشر کا مشاہدہ ___ نویں تاریخ کو عرفات کے میدان میں نہیں بلکہ میدانِ حشر میں حاضری ہے، مجرم کی پیشی احکم الحاکمین کی عدالت میں ہے، یہاں گریہ و بکاء آہ و زاری نالہ و شیون درکار ہیں، غم اور گھٹن کی کیفیت مطلوب ہے گناہوں سے دھل دھلا کر اس مقامِ عالی پر رسائی کی جد و جہد ہے جسکے بارے میں ارشاد ہے :

الا انّ اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ہ

سن لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھنے والے کیلئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہ منڈی عجیب و غریب ہے یہاں کا سب سے بہترین

سامان خریدا ہوا مغفرت ونجات ہے جس کے لئے سرمایہ برائے خریداری دھن، دولت نہیں ڈالر اور ریال نہیں بلکہ سوز وگداز، انابت و استغفار، نالہائے بلند اور کیفیاتِ غم بن سکتی ہیں۔

عرفات کے بعد مزدلفہ کی رات ہے جسمیں ہجوم رحمت گناہگار بندوں کی تلاش میں رہتا ہے، حدیث میں اس رات کو لیلۃ القدر کے ہم پلّہ بتایا گیا۔ ادب اس رات کا یہ ہے کہ حاجی مصروفِ خواب نہ ہو بلکہ شب بیدار ہو، نیند کا خمار نہ ہو بلکہ بیداری کا سودا سوار ہو۔ صبح ہوتے ہی پھر منیٰ کا ریگ زار ہوگا، یہاں کا قیام اپنے نفس کی قربانی اور خواہشات کی قربانی کا آئینہ دار ہے یہاں سے اٹھے پھر بلد الحرام میں جا پہنچے، پھر وہی طواف، وہی سعی بین الصفا والمروہ یعنی آرام کہاں بلکہ دوڑ دھوپ ہے۔ چین کا نام ونشان نہیں بلکہ بے چینیوں کا انبار ہے، یہاں سے فارغ ہوکر دیارِ حبیبؐ کے لئے گرم رفتار ہونا ہے بارگاہِ احکم الحاکمین میں حاضری دی تھی یہاں بجنابِ ختم المرسلینؐ پیشی ہے۔ یہاں کا ادب سکوت وخاموشی، عاشقانہ نیاز اور فدا کارانہ انداز ہے۔

تقریباً یہی احکام عمرے کے بھی ہیں۔ حج کے لئے ایام مخصوص ہیں، یہاں کسی زمانے کی قید نہیں گویا کہ ایک مقید، دوسرا آزاد

لیکن قیودات سے دونوں پا بہ زنجیر! اگران چیزوں پر جو بیان کی گئیں ٹھیک عمل کر لیا گیا تو حج جیسی عظیم عبادت سے زائرِ حرم حقیقی فائدہ اٹھائیگا اور اس کا یہ سفر کامیاب اور وہ خود کامگار ہوگا بلکہ خدائے تعالیٰ کے یہاں وہی حاجی کا مدار ہوگا۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

عیدالاضحیٰ

دنیا کے سارے مذاہب اور ساری قوموں میں مختلف تہواروں اور تقریبات کا رواج ہے جن میں یہ قومیں اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کرتی ہیں یا اپنی قومی تاریخ کے کسی بڑے واقعہ کی یادگار مناتی ہیں، اہل ہنود کے یہاں دیوالی، ہولی، بسنت پنچمی، جنم اشٹمی، رام نومی عیسائیوں کے یہاں گڈ فرائڈے، کرسمس ڈے، پارسیوں کے یہاں نوروز اسی سلسلہ کی تقریبات اور تہوار ہیں جن میں پوری قوم اپنی شان و شوکت کو اجتماعی طور پر منظر عام پر لاتی اور بہت سے خاندان بہت سے افراد ایک جگہ جمع ہو کر خوشیاں مناتے ہیں، کھیلتے کودتے ہیں

اسلام نے تہواروں کا دائرہ بہت محدود رکھا ہے وہ اس فانی زندگی کی مختصر مدت کو کھیل کود اور لہو ولعب میں گذارنا نہیں چاہتا اور اس کی کوشش کرتا ہے کہ مسلمان کو جو بھی وقت ملے اسمیں وہ اپنے دینی اور دنیادی فرائض کو پورا کرنے کی سعی کرے اس کا کوئی وقت بیکار باتوں اور بے ہودہ مشاغل میں برباد نہ ہو اس کی موت

وحیات سب اللہ کے لئے ہے وہ اگر مرتا ہے تو صرف اللہ کے لئے اور زندہ رہتا ہے تو صرف اس کی خوشنودی کے لئے، اس کی نیند آرام، رزق، صحت و تندرستی، خاموشی اور گویائی حرکت اور سکون سب اللہ کے لئے ہے

قل انّ صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ ربّ العٰلمین

اسلام نے اپنے دو تین تہواروں کو بھی دینی نقطۂ نظر سے استوار کیا اور ان کا بڑا حصہ عبادتِ الٰہی، ریاضتِ بدنی، اور خدمتِ خلق کے لئے خاص کر دیا ۔ چنانچہ عید الاضحیٰ یادگار ہے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کے واقعۂ قربانی کی ۔ یہ دونوں جلیل القدر پیغمبر بارگاہ الٰہی کے برگزیدہ ترین بندے تھے ۔ حضرت ابراہیمؑ سے ایک قربانی حق تعالیٰ نے وہ طلب فرمائی تھی کہ ابھی حضرت اسماعیلؑ شیرخوار بچہ تھے اس وقت باپ کو حکم ہوا کہ جاؤ اپنے بیٹے اسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ کو حجاز کے اس بے آب و گیاہ پتھریلے اور ریتیلے میدان میں چھوڑ آؤ جہاں اب مکہ مکرمہ آباد ہے ۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس موقعہ پر بھی ایک اطاعت گذار بندے کا ثبوت دیا اور رضاء الٰہی کی خاطر اپنی بیوی اور بچے کو اسی تنہائی، بے کسی اور غریب الوطنی میں چھوڑ آئے ۔ جہاں اسماعیل پلے بڑھے

اور محض وسیلۂ الٰہی سے ان کی تربیت و پرورش ہوئی۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کی اس زندگی کے چند خاص واقعات کو ایک دائمی یادگار کی شکل دینے کے لئے انھیں حضرت حق کی طرف سے ارکان حج کی حیثیت دی گئی تاکہ ساری دنیا آخر عمر تک دیکھتی رہے کہ جن دو سرفروش جانوں نے اطاعتِ رب کے لئے اپنے آپ کو انتہائی غربت اور شدید بے کسی کے حوالہ کردیا تھا اللہ رب العالمین نے ان کا نام کتنا روشن کیا کتنی ان کی قدر افزائی فرمائی اور کس کس طرح ان کی زندگی کو مشہور و معروف کیا دوسری قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس وقت طلب کی گئی جب حضرت اسماعیل پل بڑھ گئے تھے اور اپنے جسم و جان سے اپنے ضعیف والد حضرت ابراہیم کے لئے دست و بازو بننے والے تھے، حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ اسماعیل کو ہماری راہ میں قربان کردو، حضرت ابراہیمؑ نے اپنے سعید الفطرت فرزند حضرت اسماعیل سے اس کا ذکر فرمایا کہ امر الٰہی یہ ہے کہ میں تمہیں خدا کے راستے میں قربان کردوں قال یا بنیّ انی اریٰ فی المنام انّی اذبحک فانظر ماذا تریٰ حضرت اسماعیل نے فرمایا یا ابت افعل ما تومر ستجدنی انشاء اللّٰہ من الصابرین۔ اور جب حضرت ابراہیم نے حکمِ الٰہی کی تعمیل میں حضرت اسماعیل کو

چھری سے ذبح کرنیکا ارادہ فرمالیا اور انھیں پیشانی کے بل لٹادیا تو اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا

فلمّآ اسلما وتلّه للجبين ونادينٰه ان يا ابراهيم قد صدقت الرؤيا انا كذلك نجزي المحسنين۔

جب ان دونوں نے مان لیا میرے حکم کو اور پچھاڑ دیا حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو پیشانی کے بل اور آواز دی ہم نے کہ اے ابراہیم آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔

ایک سن رسیدہ باپ سے اپنے نوعمر بچے کی قربانی کا یہ مطالبہ اسی معنی میں تھا کہ نسل انسانی اپنے قریبی علائق اپنی محبتوں اور رشتوں کو حق تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کے لئے قربان کرنے کی عادی بنے اور خدا تعالیٰ دنیا میں جو پاک وصاف معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس کی تکمیل میں انسانوں کی اپنی خواہشات، اپنے تعلقات، اپنی رشتہ داریاں اپنے رشتے ناطے کوئی خلل نہ ڈال سکیں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے بے چون وچرا اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت اسماعیل کو قربان کرنے کے لئے ارادہ فرمالیا، مگر عین وقت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ملہ ظاہر ہوئی اور حضرت اسماعیل کی قربانی کے حکم کو واپس لیکر ایک مینڈھے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا۔

حضرت اسماعیل کی قربانی کے اس واقعہ کو بھی حق تعالیٰ نے ایک یادگار شکل عنایت فرمائی اس وقت سے لیکر قیامِ قیامت تک کل عالمِ اسلامی کے لئے ۱۰ ذی الحجہ کو جانوروں کی قربانی فرض قرار دی گئی، ۱۰ ذی الحجہ کی قربانی اسی واقعہ کی یادگار ہے اور اس قربانی کے لئے حق تعالیٰ کے یہاں بڑے اجر و ثواب کا وعدہ ہے، فرمایا گیا ہے کہ ہمیں صرف جانوروں کا خون اور ان کی کھال اور گوشت مطلوب نہیں بلکہ اس قربانی کی روح ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے۔

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم۔ ہرگز نہیں پہنچتا ہے اللہ کے پاس ان کا گوشت اور ان کا خون البتہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

روح سے مقصد اللہ کے لئے اپنی ہر عزیز اور قیمتی چیز یہاں تک کہ خود اپنی جان اور اپنی زندگی کو قربان کر دینے کے ارادہ اور عزم سے ہے جو مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جانور ذبح کر کے قربانی کے کل مقصد کو پورا کر دیا وہ صحیح نہیں سمجھتے ۱۰ ذی الحجہ کو اپنے اپنے شہروں اپنے اپنے گھروں میں قربانی کرتے وقت ہمیں اس پیغمبر الٰہی کی یاد کو زندہ رکھنا چاہیئے اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ ایک مسلمان کی زندگی خدا کے احکامات کو پورا کرنے، اور ان احکامات

کی روشنی میں دنیا میں ایک مثالی ماحول پیدا کرنے کے لئے وقف ہے اس ماحول میں سچائی کو مقدم رکھنا چاہیئے، نیکی کو آگے بڑھانا انصاف اور امن کے لئے اپنی ضرورتوں اور خواہش کو ختم کرنے اور پوری انسانیت اور انسانیت کے ہر عضو کو خدا کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے سرگرم عمل کر دینا ہے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اسے اپنے مال، اپنی عزت، اپنی جان اور اپنی راحتوں کو قربان کر دینے سے ہچکچانا نہیں چاہیئے۔

عید الاضحیٰ مسلمانوں کی ایک عالمی تقریب ہے جس کا مقصد صرف کھانا پینا، کھیلنا کودنا اور اپنے قیمتی وقت کو ہاؤ ہو میں برباد کرنا نہیں بلکہ یہ ہمیں ایثار نفس، خدا کے بنائے ہوئے قوانین کی اطاعت، اس کے احکامات کی پابندی اور اپنی زندگی کو اپنے لئے اپنے کنبہ کے لئے، اپنی برادری اور سوسائٹی کے لئے اور اپنے وطن اور ملک کے لئے کارآمد بنانے کا سبق دیتی ہے۔

۲۶ جنوری

ماہ وسال کی گردشیں ہی انقلاب زمانہ کا نام ہے، دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں، مہینے سالوں اور سال صدیوں اور قرنوں میں بدلتے اور ایک زندگی اور ایک تمدن کو بالکل ختم کر کے دوسری دنیا دوسری تہذیب اور دوسرا عالم پیدا کرتے ہیں، ماہ وسال کی گردش قوم اور فرد کے مزاج کو بھی بدلتی ہے ان کے اوصاف میں بھی تغیّر پیدا کرتی ہے۔ جو قومیں کل اپنی بہادری اور شجاعت میں مشہور تھیں آج بزدلی اور دوں ہمتی کا شکار ہیں، جو افراد کل گمنام تھے آج ان کی زندگی بام عروج پر ہے۔ جن زمینوں پر کوڑے کرکٹ کے غلیظ انبار لگے ہوئے تھے آج وہاں بڑی بڑی عمارتیں آسمان سے در ملائے کھڑی ہیں۔ انقلابِ زمانہ اگر اسی حقیقت کا نام ہے کہ وہ انسان کے ظاہر و باطن کو بدلتی کبھی اسے زندگی کی بلندیوں اور اونچائیوں تک لیجاتی ہے تو کبھی وہ اسے قعر مذلت میں ڈھکیل کر اور ایک قہقہہ لگا کر آگے بڑھ جاتی ہے تو مجھے بتایا جائے کہ ۲۶ جنوری ۴۷ء کو جن حالات میں ہم نے آزادی کا خیر مقدم کیا تھا کیا آج اس دن کے

حالات کو بدلنا نہیں چاہئے تھا۔ ۴۷ء میں ہم نو آموز تھے ابھی ابھی قفس سے چھوٹنے کی وجہ سے ہمارے بال و پر کمزور اور قوت پرواز برائے نام تھی۔ ہندو مسلمانوں میں کچھ غلط فہمیاں تھیں، ان غلط فہمیوں نے دونوں کے تعلقات و معاملات میں دراڑیں ڈالدی تھیں۔ ادھر پاکستان میں قتل و غارت گری کا ہنگامہ گرم تھا، اِدھر ہندوستان کی فضائیں دلدوز چیخوں، آہوں، سسکیوں سے لبریز تھیں۔ لیکن کیا آج ۳۱ سال گذرجانے پر بھی ہم زندگی کے تقاضوں کو نہیں سمجھے ؟ ہم نے ۱۲ کروڑ افراد کی عددی طاقت رکھنے والی قوم کی ضروریات اور طبعی حقوق کا اندازہ نہیں کیا، انصاف اور امن کے لئے ہمارے دل نہیں کھلے، خام سیاست اور لاحاصل نظریات کے فریب نے ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا، ہمیں اپنے ملک، اس کی شاداب و حسین فضاؤں، اس کی سونا اگلنے والی زمین، ہُن برسانیوالے آسمان ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں دینے والے درختوں اور جنگلوں سرد و شیریں پانی سے لبریز دریاؤں اور اونچے اونچے پہاڑوں کی قیمت معلوم نہیں ہوئی۔

بچہ بے عقل ہوتا ہے، لڑکپن میں اس کے ہاتھ پاؤں کھلتے ہیں جوانی میں اس کا علم و عقل پختہ ہوتا اور بڑھاپے میں تجربات کے لعل

وجواہر سے اس کے جیب و داماں بھرے ہوتے ہیں۔ تو کیا ۱۹۴۷ء کا ہندستان آج بھی بچہ، نادان، کم عقل ہے؟ اب کونسی منزل ہوگی جہاں ہمارے ملک کو عقل آئے گی، کون سا وقت ہوگا جب ہمارا شعور جاگے گا اور کونسی گھڑی ہوگی جب انسان انسان کو پہچانیگا، آدمی کو احترام آدمیت کی تمیز ملے گی۔ جب ہندو مسلمان کو اور مسلمان ہندو کو آدمی سمجھے گا، خدا کی مخلوق سمجھے گا اور اسکی انسانی ضروریات کے راستہ میں روڑے نہیں اٹکائیگا کہنے والے بہت کچھ کہہ چکے آواز دینے والوں نے آوازیں دیتے دیتے اپنے گلے زخمی کر لئے اب تو سننے اور عمل کرنے کا وقت ہے۔ اور وہ وقت نہ آنے دو جب عمل کرنیکا وقت گذر جائیگا اور بے عملی کی سزائیں شامتِ اعمال بن کر تمہاری سطوت و شوکت کو پامال اور سر خمیدہ بنا دینگی۔

۲۶ر جنوری کی تقریبات میں اس حقیقت کو نہ بھولو کہ جس محنت و مشقت کے ساتھ ہم نے آزادی حاصل کی تھی، آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے ہمیں اس سے بہت زائد محنت و جانکاہی کی ضرورت ہے۔

۱۵ر اگست

آج ہمارے ملک کی آزادی کی بیسویں سالگرہ ہے۔ ہندستانیوں میں سے بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اسے نہ جانتے ہوں کہ ہم نے مسلسل ایک سو سال کی شدید محنت، جان و تن کی قربانیوں اور مال و دولت کے بے دریغ صرف کے بعد آزادی حاصل کی، ہماری قومی جدوجہد کا یہ قافلہ دار و رسن قید و بند اور جاں فروشی و جانبازی کے ہر مرحلہ سے گذرا۔

اس میں شیخ الہندؒ کی وہ تحریک بھی تھی جو پورے عالم اسلام میں پھیلی ہوئی تھی اور جو ہندوستان کی آزادی کیلئے مسلمانوں کی بے مثال قربانیوں کا نمونہ پیش کرتی ہے، اسمیں قصہ خوانی بازار پشاور اور جلیانوالہ باغ امرتسر کے خونچکاں معرکے بھی تھے، اور اشفاق اللہ خاں، رام پرشاد بسمل، بھگت سنگھ اور راج گرد کی زندگیوں اور جوانیوں کی بھینٹ بھی تھی، اسمیں

محمد علی اور شوکت علی کے فلک پیما نعرے بھی تھے اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری مولانا حفظ الرحمٰن اور مسٹر آصف علی کی صاعقہ باز تقریریں بھی۔

اس میں سبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج کی امپھال کی پہاڑیوں تک یلغار بھی تھی اور گاندھی جی کی ستیہ گرہ مرن برت، ہندو مسلم اتحاد اور سوشل اصلاح و ترقی کی تحریکات بھی، اس میں دیو بند کی بے لوث حرّیت پسندی بھی تھی اور علی گڑھ کے جوان خون کی گردش بھی۔

تاریخ کے اس بہاؤ میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی بھی تھے اور پنڈت مدن موہن مالویہ بھی، ایک طرف فرقہ واریت کا مجسم نقطۂ نظر ویر ساورکر بھی تھے اور دوسری طرف آزاد ہندوستان کے معمار مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، رفیع احمد قدوائی، ڈاکٹر کچلو، ڈاکٹر محمود، تصدق احمد، احمد خاں شیروانی، مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید بھی۔

اس جد و جہد آزادی میں ہم پر ایک وقت ایسا آیا کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں ہندو مسلمان شانہ بشانہ مصروف عمل تھے، ہندؤں کی زبان پر اللہ اکبر کا نعرہ تھا اور مسلمان وندے ماترم کی جے پکارتے تھے سیاسی اسٹیج سے لے کر گھروں تک میں ہندو مسلم اتحاد کا سماں

بندھا ہوا تھا، پھر وہ وقت بھی ہم نے دیکھا کہ ہندو مسلمان دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے کے مقابل آ گئے، ایک طرف نواکھالی دو قوموں کی کھیوری کی آگ میں جل اٹھا، دوسری طرف کلکتہ، بہار اور پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات کا لاوا بہہ پڑا۔

میں وقتی حالات کے سامنے سر اطاعت خم نہ کرنے اور ہندوستان کی ۵۰ سال کی زندگی کے ایک غیر جانبدار مشاہد کی حیثیت سے صفائی کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اس ہندو مسلم منافرت کی ابتدا اور تخم ریزی برادران وطن کی تنگ دلی نے کی اور انہی کی تنگدلی آج تک فرقہ واریت کے اسی اژدہے کو پال رہی ہے۔

مسلمانوں پر فرقہ واریت کا الزام غلط ہے اکثریت نے کبھی اقلیت کے جان و مال اور عزت و آبرو کی کوئی قیمت نہیں سمجھی اور اسی کے نتیجہ میں ایک ملک کے دو، پھر دو ملکوں کے تین بنے اور خبر نہیں کیا کچھ ہوا۔ کیا کچھ ہو رہا ہے اور آئندہ کیا کچھ ہو گا؟۔

یہ تو ہماری جد و جہد آزادی کے چند نفوس و خطوط ہیں اصل میں پندرہ اگست کی قومی تقریب پر ہمیں پچھلے ۲۶ برس کا ایک بہت مختصر سا جائزہ لینا ہے کہ اس عرصہ میں ملی نقطۂ نظر سے ہم نے کیا کھویا کیا پایا۔

مجھے یقین ہے کہ ایک باخبر انسان اگر ذہن و قلم کو مذہبی اور قومی تعصب سے پاک کر کے ہماری ۲۶ سالہ زندگی کے متعلق اپنی یادداشت تازہ کریگا تو وہ سوچے گا کہ مسلمانوں نے اس مدت میں اپنی شاندار یونیورسٹی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کو کھویا۔ دارالترجمہ حیدرآباد کا لاکھوں روپے کا علمی سرمایہ جس میں مختلف فنون پر مختلف زبانوں کے قیمتی تراجم اور وضع اصطلاحات کا ذخیرہ تھا، اسے کوڑیوں کے مول بکتے دیکھا، آج علم و فن کا یہ سارا ذخیرہ زمین کی گہرائیوں میں دفن ہو چکا ہے، مسلم پرسنل لا کی گاڑی کے دونوں پہیئے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، حکومت کی نیت مسلم پرسنل لا کے حق میں بخیر نہیں، وہ اس پردہ میں کہ "جب تک مسلمان ہی اس میں تبدیلی کا مطالبہ نہیں کریں گے حکومت اسمیں ردوبدل کے لئے قدم نہیں اٹھائے گی" ان عناصر کو تقویت پہونچانا چاہتی ہے جو تبدیلی کے حامی ہیں۔

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ختم ہو چکی ہے اس کے تاریخی اور قومی کردار کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے گئے ہیں، وہاں ایک چپراسی سے لیکر وائس چانسلر تک حکومت کا براہ راست ملازم ہے، طلبہ پر خوف و ہراس طاری ہے ہر طالب علم حیران و سراسیمہ ہے، یونیورسٹی بند کر کے طلبہ کی تعلیم کا ایک قیمتی سال ضائع کر دیا گیا ہے۔

پولیس، فوج، عدالت، بینک، ریلوے، ٹرانسپورٹ، ڈاکخانہ تمام سرکاری محکمہ جات اور لوکل باڈیز میں مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے بند ہیں، جن صوبوں میں ان کا تناسب آبادی دس بارہ فیصد تک ہے وہاں بھی ایک ہزار سرکاری ملازمین میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

مسلمانوں پر عمومی طور پر بے روزگاری مسلط ہے، ان پر تعلیم کے دروازے بند ہیں، اعلیٰ تعلیم تک ان کی رسائی نہیں اگر کچھ مسلمان نوجوان پڑھ لیتے ہیں تو انہیں ملازمت نہیں ملتی، ہر جگہ مسلمانوں کے کاروبار چوپٹ ہیں، ہمیشہ سے برادرانِ وطن نے مسلمانوں کا تہذیبی اور سماجی مقاطعہ کیا ہے اور اب بھی کرتے ہیں۔ ہم اکثریتی طبقہ سے تعلق رکھنے والے ایک دوکاندار سے ہزاروں کا مال خریدتے ہیں لیکن کسی مسلمان دوکاندار کے یہاں آپ کسی غیر مسلم گاہک کی آواز بھی نہیں سن سکتے، مسلمان دوکانداروں کے سامنے سے اکثریت کا کوئی فرد گذرتا بھی نہیں۔

ایک شگفتہ، سلیس، ترقی پسند زبان (اردو) کا کریاکرم بھی کر دیا گیا ہے، ہر دفتر سے اسے دیش نکالا ملا ہوا ہے، اگر کسی دفتر میں آپ اردو میں درخواست دیں گے تو وہ درخواست بڑی نفرت کے ساتھ ردّی کی ٹوکری میں پھینکدی جائیگی، اردو کہیں نہیں نہ سرکاری دفتر میں نہ اسکول اور کالج

میں نہ ریلوے اسٹیشن اور ہوائی اڈہ پر۔

اردو کے سیکڑوں ادیب آج نیم فاقہ کشی کی زندگی گذار رہے ہیں تقسیم سے پہلے جن اردو اہلِ قلم کی تحریروں نے پورے ملک میں آگ لگادی تھی آج مالی مشکلات سے ان کی کمر جھکی ہوئی، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ہیں، اور وہ ٹھہر ٹھہر کر سنبھل سنبھل کر بازاروں اور گلی کوچوں میں پھرتے ہیں سوچتے ہیں کہ ہم نے ساری عمر اردو میں قلم گھسا اب اس خدمت کی بدولت دو روٹیوں کے محتاج ہیں۔ اگر موچی بنکر جوتے گانٹھنے کا کام کر لیتے تو روٹی تو مل جاتی۔ حکومت کے خزانہ شاہی سے ۳۵ ہزار افراد کو چار چار سو اور پانچ پانچ سو روپے ماہانہ کی پنشن مل سکتی ہے مگر تیس اور چالیس برس تک اردو کے ذریعہ ملک کی اور فکر و فن کی خدمت انجام دینے کا صلہ بے روزگاری، نیم فاقہ کشی، قرض، ادھار، پھٹے ہوئے کپڑے اور گھسے گھسائے جوتے ہی ہو سکتے ہیں۔

غرض کہ ۲۶ ر سال میں ہم نے یہ سب کچھ کھویا، اور اگر آپ پوچھیں گے کہ ہم نے اس عرصہ میں کیا پایا تو قریبی انعامات میں سے صرف دو چیزوں کا حوالہ دے سکوں گا، ایک راجیہ سبھا کی ایک سیٹ اور دوسرے سینٹر میں دو ڈھائی مسلمان وزیر۔

قربانی اور اُس کا فلسفہ

لفظ قربانی کے مفہوم کو سمجھنے کیلئے اس کے محلِ استعمال کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے اپنی اولاد کی تربیت و پرورش میں اور غور و پرداخت میں بڑی قربانی سے کام لیا اور اسے پڑھا لکھا کر اور بنا سنوار کر کام کا آدمی بنا دیا۔ یہاں کہنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ باپ کے پاس کوئی بڑا مال و سرمایہ نہیں تھا لیکن اس نے اپنی تھوڑی آمدنی میں کفایت شعاری سے کام لیا، برا بھلا کھایا، اچھا برا پہنا اور اپنا پیٹ کاٹ کر اور تکلیفیں اٹھا کر بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی، یہاں قربانی کے لفظ سے مفہوم یہ پیدا ہوا کہ باپ نے اپنی راحت و آرام کو اولاد کی فلاح و بہبود پر قربان کر دیا۔ سب مصیبتیں سہیں مگر اولاد کیلئے ایک باوقار اور باعزت زندگی فراہم کر دی۔

کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے اپنے روزگار اور معاش کیلئے بڑی قربانی دی اپنے ملک کے محدود وسائل سے اُسے آسودہ حالی نصیب نہ ہوئی، تو پاسپورٹ و ویزہ کے سیکڑوں جھگڑوں کا مقابلہ

کر کے کویت، دبئی، یا ابوظبی پہنچا اور وہاں بڑی ملازمت اختیار کر کے اپنے معاش اور آمدنی کے وسائل کو وسیع کیا، یہاں قربانی کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ ایک آدمی نے اپنی مالی زندگی کو بہتر بنانے کیلئے غیر ملک کے سفر اور وہاں کے طویل قیام کی صبر آزما تکلیفوں کو جھیلا اور اس طرح اس نے اپنے آپکو منزلِ مقصود تک پہنچایا، اسے جو کچھ خوشحالی، مالی فراغت، اور سماجی عزت حاصل ہوئی اسے حاصل کرنے کے لئے اسے پہلے اپنے آرام وراحت کی قربانی دینی پڑی۔

کہا جاتا ہے کہ فلاں لیڈر اور فلاں مصلح نے اپنی قوم اپنے معاشرے اور اپنے سماج کی اصلاح کے لئے خود اپنی قوم کے جبر وستم سہے ان کے طعن وتشنیع اور سب وشتم کا شکار بنا سالہا سال تک ان کی آڑی ترچھی نظروں اور ان کے دلخراش طعنوں کو برداشت کرتا رہا لیکن نتیجہ میں اس نے اپنی قوم میں ایک تعمیر پسند طبقہ پیدا کر لیا، تعلیم وتہذیب کو مستحکم بنیادوں پر کھڑا کیا، تجارت اور زراعت کے میدانوں کو دور دور تک وسیع کیا اور اس طرح اس ریفارمر اور مصلح کی قربانی سے ایک پسماندہ، آوارہ حال، اور پریشان روزگار قوم کو صفحہ ہستی پر ابھرنے اور نقشۂ عالم میں اپنے وجود اور اپنی شخصیت کی تصویر بنانے کا موقع ملا، اب یہیں یہ بات سمجھ لیجئے کہ اللہ رب العالمین نے جن مقاصد جلیلہ

کے لئے ارض و سما کی یہ دنیا پیدا کی ہے، جن مہمات و مسلمات کی تکمیل کے لئے زندگی کا یہ ہزار رنگ لالہ زار سجایا گیا ہے ان بنیادی مقاصد تک انسان کو پہنچانے کے لئے اور کھلے الفاظ میں یہ کہئے کہ یہ سارا کارخانۂ عالم صرف اس لئے بنایا اور قائم کیا گیا ہے کہ انسان اپنی جسمانی زندگی کی روزمرّہ کی ضروریات کو اپنے دست و بازو اور اپنے فہم و دانش کی قوتوں سے حل کر کے بقیہ اپنے سارے اوقات معاشرۂ انسانی میں امن و انسانیت قائم کرنے، غریبوں ضعیفوں، بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کرنے، نوجوانوں کو تعمیری کاموں میں لگانے اور بوڑھوں کی خدمت و خبر گیری کی واجبی ضروریات کو پورا کرنے اور من و تو کے سب پردوں کو اٹھا کر اپنی اسی انسانی جسمانی، مالی، اور اخلاقی قربانیوں کے راستے سے اللہ رب العزت کی رضا، اور خوشنودی حاصل کرنے پر اپنے آپ کو مامور کرے اور مامور سمجھے یہ بات سمجھ میں آجانی چاہیئے کہ اس دنیا میں ہم مال کی قربانی دیں تو، جان کی قربانی دیں تو، اپنے کسی عزیز سے عزیز رشتہ دار کی موت پر صبر کریں تو، اپنی کسی محبوب سے محبوب شیئے کی ملکیت سے دست بردار ہوں تو، راہِ حق و ثواب کی مشکلات جھیلیں تو، احترام آدمیت کے لئے مخالفین کی ستم آرائیوں کا نشانہ بنیں تو، ان سب قربانیوں کا مصرف

ایک ہی ہوگا اور ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ کریم نے جو فرائض سپرد کر کے ہمیں زندگی کی اس جلوہ گاہ میں بھیجا ہے وہ زندگی کے ہر لمحہ میں ہمارے حرزِ جاں اور وردِ زباں بنیں رہیں بس قربانی کا یہی فلسفہ ہے اور یہی اس کی حکمت ہے قرآن شریف کی ایک آیت کریمہ اس سلسلہ میں ہماری مکمل رہنمائی کرتی ہے فرمایا گیا ہے:

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوی منکم۔

اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، البتہ اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

دیکھئے کتنی صراحت کے ساتھ میں فرمایا گیا ہے کہ دس گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو جانوروں کی کیجانیوالی قربانی کا گوشت پوست اور خون و ہڈیاں ہمیں مطلوب نہیں، ہماری بارگاہ میں اگر تم دو عالم کا حسن و جمال، ساری دنیا کے زر و جواہر، ساری کائنات ارضی کے ایوان و محل اور کاخ و صحرا، یہ بہتے ہوئے دریا یہ بلند و بالا پہاڑ، یہ صبح دم اٹھکیلیاں کرتی ہوئی بادِ سحر کے نرم رو جھونکے، علماء دہر کے علم و فضل کے بلند و بالا مینار، شجاعت و بہادری کے سیکڑوں ستون بھی اگر

ہمارے سامنے رکھدو توان سب چیزوں کی ہمارے نزدیک کوئی حقیقت نہیں کہ یہ سب کچھ ہماری ہی پیدا کردہ چیزیں ہیں، ہمارا ہی ایک اندازِ منظر ہے، ہمارا ہی ایک خندۂ جمال آفریں ہے، ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے کہا کہ کُن، تو اس نے کوہ وصحرا، باغ و دریا، شمس وقمر، نجوم وکواکب، ثوابت وسیّار، کی شکل میں نمودار ہوکر بتادیا کہ، فیکُن، پس تم ہمارے سامنے یہ گوشت اور یہ خون لیکر اگر آتے ہو تو یہ نہ سمجھو کہ یہ چیزیں ہمارا مطلوب ہیں ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم ایک جانور کو پالو، پوسو، اس کی خدمت کرو، وہ تم سے اور تم اس سے مانوس ہوجاؤ، اور جب ہم تمہیں حکم دیں کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا علیہ الصلوۃ والسلام نے ہماری خوشنودی کیلئے اپنے فرزند اسماعیل کی قربانی پر اپنے آپ کو آمادہ کرلیا تھا اسی طرح تم بھی محبت کے ساتھ پالے پوسے ہوئے اس جانور کی قربانی دو، قربانی کا فلسفہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم زندگی کے بلند وبالا مقاصد اور حسین وعظیم اقدار کی صحیح پرورش اور پرداخت کے لئے اپنے مال، اپنے اوقات، اپنے حالات، اپنی اولاد اور پھر آخر میں اپنے نفس کی، اپنے وجود کی، اور اپنی شخصیت کی قربانی بھی دیں اور ان

سب قربانیوں کا مقصد وہ ہی ایک ہے کہ انسان کی یہ زندگی ایک انسان کی زندگی ہی بنے۔ وحشیوں، جانوروں، درندوں اور بہائم کی زندگی نہ بن جائے۔ اگر دس، گیارہ بارہ ذی الحجہ کو اپنے جانوروں کی قربانی دیتے وقت یہ حکمت وفلسفہ ہمارے سامنے رہتا ہے تو ہم قربانی کی حکمت وفلسفہ کو پہچانتے ہیں سمجھتے اور اسے بروئے کار لاتے ہیں۔ اور اگر جانوروں کی قربانی کا یہ مقصد اور حکمت ہمارے ذہن میں نہیں تو ہم نے رسمی طریقہ پر جانور کو ذبح کر کے کچھ پایا نہیں بلکہ بہت کچھ کھویا۔

شہادتِ حسینؓ

جس طرح سونے کو کندن بنانے کے لئے اسے دیر تک بھٹی میں تاپنا اور بار بار کوٹنا ضروری ہے اسی طرح انسانیت اور شرف انسانیت کی تکمیل کے لئے یہ لازمی اور لابدی امر ہے کہ انسان مہالک وموبقات کے ان تمام پرخطر راستوں سے گزر کر جن کے قدم قدم پر کانٹوں کے جھاڑ انسان کی ناپاک خواہشات کے دامنِ ہستی کو چاک کر دینے پر تلے رہتے ہیں اپنے کو راضی برضائے مولا کے مرتبہ بلند تک پہونچائے۔

انسانیت اپنی اغراض کی تکمیل کے لئے نئی نئی تجویزیں سوچنے اور نئی نئی تحریکیں پیدا کرنے کا نام ہے اور نہ اچھا کھانے، اچھا پہننے، تھوڑا کام اور زیادہ آرام کرنے اور اپنی نگاہوں کو اسی تیرۂ خاکدان اور اس کی بے اصل دلچسپیوں میں گم کر دینے کو کہا جا سکتا ہے بلکہ انسانیت ایک سر پنہاں ہے قربانی نفس کا، ایک راز ہے اپنا سب کچھ لٹا کر اللہ بلند و برتر کی رضا و خوشنودی کی تحصیل کا،

اور ایک حقیقت ہے راہ خدا میں سر دھڑ کی بازی لگانے اور جسم کا آخری قطرۂ خون بہا کر حیات دوام کے لطف حاصل کرنے کی (بادشاہِ تغزل) جگر مراد آبادی نے صحیح کہا ہے کہ ؎

عشق جب تک نہ کر چکے رُسوا ؛ آدمی کام کا نہیں ہوتا

بے شبہ وہ آنکھ، آنکھ ہی نہیں جس نے جورِ بے نہایت اور استبدادِ بے پناہ پر ایک عرصۂ دراز تک سیلاب اشک بہا کر صحیح نورعین حاصل نہ کیا ہو، وہ دل، دل ہی نہیں جو تمناؤں کا مدفن ارادوں کی لحد اور آرزوؤں کی قبر بن کر، اب ہر تمنا، ہر ارادے اور ہر آرزو سے خالی نہ ہو گیا ہو، اور اس دماغ کو دماغ ہی نہیں کہا جا سکتا جس کی قوت عقلیہ ایک دفعہ نہیں بلکہ بارہا مصائب کے طوفانوں اور تکلیفوں کے سیلابوں سے ٹکرا کر ناکام، منفعل اور سر در گریباں واپس نہ آئی ہو، اور پھر اسلام کے دائرۂ عمل میں آکر جو اس شرف انسانیت کا آخری درجۂ کمال ہے ہر انسان پر یہ فرض اور بھی سختی سے عائد ہو جاتا ہے۔ مسلمان پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے وہ جب تک جئے تو اس کی تکبیر کے فلک رسا نعرے ساکن دریاؤں میں تلاطم، رکی ہوئی ہواؤں میں آندھی کا ایک زور اور بگولے کی ایک تڑپ، ہنستی اور سہاتی خاک میں عشق کا ایک سوز

اور محبت کی جاودانی، تب وتاب، مطمئن شہروں اور آبادیوں میں بے اطمینانی کا ایک کیف اور بے حس دلوں میں زندگی کی ایک حس پیدا کرے اور جب مرے تو اس طرح کہ سولی کا تختہ اور پھانسی کا پھندا، نیزہ کی انی شمشیر و سنان کی نوک، بندوق کی نال اور بم کا گولہ یہ سب اسکے اردگرد ہوں اور وہ فاتحانہ خندۂ دنداں نما کے ساتھ انّ صلاتی و نسکی ومحیای ومماتی للہ ربّ العٰلمین کہتا ہوا واصل بحق ہو جائے ؎

اک بانکپن سے جینا اک بانکپن سے مرنا
جینا انہیں کا جینا مرنا انہیں کا مرنا

سبطِ پیغمبر کی شہادت

آج کے مادہ پرست اور پُر فتن و پرآشوب دور میں ہمیں اس قسم کی قربانی اور ایسی مجاہدانہ اولوالعزمی کی شاید کوئی مثال نہ مل سکے مگر اس راہ میں واصلانِ الی الحق کے کاروانِ رفتہ کے نقشِ قدم آج بھی ہماری رہنمائی کرتے اور زبانِ حال سے ہمیں دعوت دیتے ہیں کہ ؎

عاقبت منزلِ ما وادئ خاموشانست
حالیا غلغلہ در گنبدِ افلاک انداز

وہ دیکھو کہ کربلا کے میدان میں کرب و بلا کا کس قدر لرزہ خیز ہنگامہ گرم ہے، مسلمان اسلام کے پرستار اور خاتم النبیین صلعم کے نام لیوا اپنے لئے، اپنے اقتدار و اختیار کے لئے، اپنی منفعت کے لئے، اپنی غرضوں اور خواہشوں کے لئے "سیدۃ نساء اہل الجنۃ" حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند، نبی امی کے نواسے اور نوع انسانی کے اس عظیم ترین فرد کو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی روشنی، دل کا سرور، التفات کا مرکز اور الفت کا محور تھا۔ آستین چڑھائے، جبینوں پر قہر و غضب کے بل اور جور و ستم کی سلوٹیں ڈالے، آنکھوں میں انتقام کا نشہ اور دلوں میں جوش و خروش کی آگ دہکائے کچھ اس طرح قتل کر دینے پر آمادہ ہیں کہ گو حسین سو مجرموں کے ایک مجرم اور سو خطا کاروں کے ایک خطا کار، تنہا حضرت حسینؓ ہی نہیں بلکہ سارا کا سارا خانوادۂ نبوت، وہ بام عرش کی رفعتیں جس کے زیر پا زمین و آسمان کی تمام بزرگیاں جس پر ختم، جس کی غریبی پر ازل سے لیکر ابد تک کی ساری امارتیں قربان، جس کی خاکِ پا عشاق کی آنکھوں کے لئے کحلِ سعادت اور خانوادۂ نبوت میں بھی اصغر سا شیر خوار بچہ، عابد سا بیمار، عباس سا سبزۂ آغاز نوجوان ان تہی دستانِ قسمت

اشقیاء اور گنہگاروں کے ظلم وستم کا شکار بنے ہوئے ہیں۔

قدسیوں نے یہ ہولناک منظر دیکھا تو عرش الٰہی کا پایہ چوم کر لڑکھڑاتی ہوئی زبان اور کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے کہا کہ۔

ع " ہے ہے عرق عرق وہ تن نازنیں رہے "

مگر رب اکبر جل مجدہ خاموش رہے کہ گویا اسلام کی آنے والی نسلوں کو قربانی کا سبق پڑھانے کے لئے اسی گرم و ریتیلے میدان میں عین دوپہر کے وقت سرداروں کے سردار حسین کا بے سر ہوجانا ضروری اور اس کے خون فداکاری سے اللہ کی رضا و تسلیم کے شجرۂ طیبہ کی آبیاری کرنی لازمی ہے۔

قدرت کاملہ بروز ازل حسین علیہ السلام کے نامۂ تقدیر میں شہادت کی جس شرف و بزرگی کو لکھ چکی تھی بالآخر حضرت حسینؓ اس سے ہم آغوش و ہمکنار ہوئے، خسر الدنیا والآخرہ کے اجارہ داروں نے بہیمیت و جہالت کی ترکش سے ظلم وستم کا آخری تیر پھینکا اور جو ٹھیک نشانہ پر بیٹھا سید الشہداء حضرت حسین شہید ہوئے انہوں نے اپنی صورتِ زیبا پر خاک و خون کا غازہ مل کر اور خدائے قادر وقیوم کی سجدہ گاہ میں بعزم کالجبال الراسیات جیتے جی زندگی واپس فرما کر ابدالآباد تک مشرب صبر و رضا اور رسم و رہ تسلیم کا

اجرا فرمایا۔

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید ؎ حقا کہ بنائے لاالہ است حسین

حضرت حسین اور خاندان نبوت کے دوسرے حضرات کے جوشِ فدا کاری کی قسم، علیِ خیبر شکن کے فرزند ارجمند کے گرم گرم خون کی ان بوندوں کی قسم جو باطل کی قبا پر لعل کا تکمہ بنیں، سید الشہداء کے تڑپتے اور بلکتے ہوئے بچوں کی ان جگر خراش چیخوں کی قسم، جن کی شدت سے زمین کی طنابیں کپکپا اٹھیں، کربلا کی اس فضا اس زمین اور ان ذروں کی قسم جہاں بلا کشانِ محبت کی نعشیں خاک و خون میں تڑپ کر اپنے عزم و عمل کا اعلان کر رہی تھیں اور یزیدی افواج کے ان قہرمانی حملوں کی قسم جنہوں نے نبی کے خاندان کو نبی کی امت کے ہاتھوں، وطن سے دور مسافرت کی حالت میں پریشان کیا، ننھے بچوں، جواں ہمت نوجوانوں اور پاک سیرت عورتوں کی اس تشنگی کی قسم جس سے تنگ آکر ان کی سوکھی ہوئی زبانیں باہر کو آرہی تھیں اس خالق کل اور رب عالی کی ان مصلحتوں کی قسم جس نے اسلامی تاریخ میں اس لرزہ خیز واقعہ کا اضافہ فرما کر حضرت حسین کو بقاء دوام عطا فرمائی کہ بنامِ خدا پر مرنا جینا ہے، اسلام کیلئے موت درحقیقت زندگی ہے شریعت کی حفاظت کیلئے دشمنوں سے ذلیل ہونا عزت ہے آبرو ہے فخر و شرف اور بزرگی و فضیلت ہے اور حسین کے مشرب کی تجدید، دنیا و دین کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ قیمتی شئے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ حج

اسلام کے بنیادی پانچ ارکان. کلمۂ شہادت، نماز، زکوٰۃ اور روزہ وحج میں سے پانچواں رکن حج جو ایسے مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہوتا ہے جس کے پاس پورے سفر حج کے مصارف اور اس دوران متعلق افرادِ خانہ کے اخراجات موجود ہوں. اور بیت اللہ تک بسلامتی پہونچنے کے پُر امن ذرائع میسّر ہوں۔

حج کی فرضیت کب ہوئی ہے اس بارے میں اقوال وآراء مختلف ہیں، ۵ھ سے لیکر ۹ھ تک تقریباً ہر سال کے دلائل موجود ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ قبل ہجرت بھی ترمذی میں مذکور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق دو حج کئے تھے لیکن بعد ہجرت آپ نے صرف ایک حج کیا ہے۔ اور وہ حکم فرضیت کے بعد ۱۰ھ میں ہوا۔ جس کا نام حجۃ الوداع ہے، اس لئے کہ یہی آپؐ کا آخری حج تھا، اس کے بعد اسی سال آپ کا وصال ہوگیا۔

۹ھ میں آپ نے اپنی طرف سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

کو امیر الحج بنا کر اور ان کی زیر امارت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو حج کیلئے بھیجا تھا۔

اسی موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کے لئے مامور کر کے بھیجا کہ وہ آیت قرآنی انّما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا کا اعلانِ عام کر دیں۔ جس کی رو سے آئندہ کے لئے مسجد حرام میں مشرکین کے داخلہ پر پابندی لگ گئی، جس کا نفاذ اس اسلامی حکومت کی دینی ذمہ داری تھی، جس کا پورے عرب پر اقتدار تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت اور اس کا پس و پیش سورۂ برائت کی چالیس آیات کی بصورتِ اعلان تلاوت کی جس کے مطابق آئندہ مسجد حرام میں مشرکین کا داخلہ اور ننگے بدن طواف کرنا ممنوع قرار پاگیا۔

اس انتظام و انصرام کے نتیجہ میں یہ بات چونکہ صاف ہو چکی تھی کہ ۱۰ھ میں صرف اہل اسلام ہی حج بیت اللہ کر سکیں گے اس لئے اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس، حضرات صحابہ کے جمّ غفیر کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے ــــــ اور پھر چونکہ اس حج کے بعد آخری دین کی دستوری اور اس دستور کے نفاذ کی تکمیل ہو چکی تھی، اس لئے وہ مقصد بھی پورا ہو گیا جس کیلئے

پیغمبرؑ دنیا میں مبعوث ہوئے تھے، لہٰذا تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے جس کی اطلاع آپ نے خطبۂ حج میں سبھی دیدی تھی، کہ غالباً آئندہ میں اس موقعہ پر نہ مل سکونگا۔

بہر حال آپ نے ۱۰ھ میں اپنے حج کا اعلان فرمایا۔

مدینہ سے باہر دوسرے علاقوں میں اس کی اطلاعات بھیجیں ــــــ کسی بھی مسلمان کے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوسکتی تھی کہ خاتم الانبیاء، کائنات کے سردار، فخرِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت میں حج کی دولت نصیب ہو، اسلئے جوق در جوق مسلمان مدینہ منورہ پہونچنے لگے اور اسی طرح فوج در فوج قافلے راستے میں آآکر ملتے اور اس طرح ایک لاکھ سے زائد حضراتِ صحابہ کا مقدس مجمع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریکِ سفر ہوگیا۔ آپ نے شہری اور ملکی انتظامات کی نگرانی کے لئے حضرت ابودجانہ ساعدی کو اور ایک روایت کے مطابق حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو بطور جانشین مدینہ کا حاکم تجویز فرمایا۔

پنجشنبہ یا ہفتہ کا دن تھا اور ماہ ذی قعدہ کے ختم ہونے میں چھ دن رہ گئے تھے کہ ظہر کی نماز سے پہلے مسجد نبوی میں آپ نے خطبہ دیا جس میں مسائلِ حج اور احرام کی سنن و واجبات کو بیان فرمایا۔

پھر معمول کے مطابق ظہر کی پوری چار رکعت با جماعت ادا فرمائیں، نماز سے فراغت پاکر آپ نے تیل اور خوشبو استعمال کی اور تہبند اور چادر زیب تن کئے پھر ظہر و عصر کے درمیان مدینہ منوّرہ سے پاکبازوں کا یہ قابلِ رشک دو عالم قافلہ روانہ ہوا، تمام ازواج مطہرات آپ کی ہم رکاب تھیں، عصر کی نماز کے وقت آپ ذوالحلیفہ پہنچ گئے اور وہاں آپ نے عصر سے لیکر اگلے دن ظہر تک قیام فرمایا، اس دوران پانچ نمازیں ادا ہوئیں جن میں سے چار رکعت والی نمازوں میں قصر کیا، ذوالحلیفہ میں آپ نے بہ نیتِ احرام غسل فرمایا اور دو چادریں زیب بدن فرمائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مشک آمیز خوشبو لگائی، اس کے بعد آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور تلبیہ بایں الفاظ پڑھا: لبیك اللّٰھمّ لبیك لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك.
پھر آپ اپنی اونٹنی قصواء پر بیٹھے اور پھر تلبیہ پڑھا، قافلہ روانہ ہوا جب آپ مقام بیداء پر پہونچے جو اسی راہ میں آنے والا ایک ٹیلہ ہے تو پھر آپ نے تلبیہ پڑھا۔

حضرت سائبؓ بن یزید نے آپ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ میرے پاس جبریل آئے اور مجھے اپنے ساتھیوں کو یہ ہدایت

کرنے کیلئے کہا کہ آواز کے ساتھ تلبیہ پڑھیں۔

آپ نے ذوالحلیفہ سے احرام باندھا، اس لئے کہ یہی اہلِ مدینہ کی میقات ہے۔ میقات اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے بغیر احرام باندھے حدودِ حرم میں بارادۂ مکہ جانا ممنوع ہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ آپ نے اہلِ مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ اور اہلِ شام کے لئے جُحفہ، اہلِ نجد کے لئے قرن المنازل اور اہلِ یمن کیلئے یلملم کو میقات قرار دیا۔ خواہ لوگ خاص ان ہی علاقوں سے آئیں یا ان کی سمت میں واقع ہونے والے کسی بھی دور دراز مقام سے، اور حدود میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے اس کی جائے قیام ہی میقات ہے، حتیٰ کہ اہلِ مکہ کی میقات خود مکہ مکرمہ ہے۔

ذوالحلیفہ میں اکثر حضرات صحابہ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا، جس کو افراد کہا جاتا ہے۔ بیس سے زیادہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قِران کا احرام باندھا تھا، آپ کے ساتھ اور بعض حضراتِ صحابہ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے آپ نے اس وقت کے طریقہ کے مطابق ان پر وہ نشانات لگائے جو ایسے جانوروں کے لگائے جایا کرتے ہیں جنکو تقلید اور اِشعار کہا جاتا ہے۔

راستہ کے دو مقامات روحاء اور ابواء میں آپ کو حمار وحشی کا گوشت ہدیہ میں پیش کیا گیا، وادیٔ عسفان میں آپ پہونچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا جگہ ہے انہوں نے بتلایا کہ وادیٔ عسفان ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس جگہ سے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام بحالتِ احرام اور حج کا تلبیہ پڑھتے ہوئے گذرے ہیں۔

ذوالحلیفہ میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں صاحبزادے محمد کی ولادت ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیقِ اکبرؓ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس کو ہدایت فرمائی کہ غسل کرکے احرامِ حج باندھ لیں۔

پھر دورانِ سفر ایک مقام سرف میں قیام ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نسوانی شکایت پیش آئی تو وہ اس خیال سے رونے لگیں کہ شاید میں اب شریکِ حج نہ ہوسکونگی، آپ کو علم ہوا تو فرمایا کہ سوائے طواف بیت اللہ کے بقیہ ارکانِ حج ادا کئے جائیں گے۔

بہرحال یہ مقدس قافلہ منزلیں طے کرتا ہوا ۴ ذی الحجہ کو ذی طویٰ میں پہونچا، جو مکہ سے قریب ہی ایک جگہ تھی وہاں آپ نے رات گذاری اور ۴ ذی الحجہ کی صبح کو آپ مکہ میں اس جانب سے داخل

ہوئے جس طرف جنت المعلیٰ ہے۔ یہی مکہ کی جانب اعلا کہلاتی تھی اور مکہ سے واپسی آپ کی جانب اسفل سے ہوئی تھی جس کو اب بھی مسفلہ کہا جاتا ہے۔

آپ سیدھے حرم محترم میں پہونچے، اور حجر اسود کا استلام کیا، یعنی اس کو بوسہ دیا۔ اسی حجر اسود اور مقام ابراہیم کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ دونوں جنتی پتھر ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو سلب کر لیا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو مشرق و مغرب جگمگایا کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں بوقتِ طواف حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا کرتے کہ تو صرف ایک پتھر ہے نہ نفع پہونچا سکتا ہے اور نہ نقصان، مگر میں نے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے اس لئے میں بھی تقبیل کرتا ہوں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے عظیم ترین قافلہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہو رہے تھے۔ تو دن کو محنت اور رات کو عبادت کرنیوالے ان حضرات کے پتلے دبلے جسموں کو دیکھ کر تماش بین اہل مکہ کہنے لگے کہ محمد کے ساتھیوں کے سارے کس بل

مدینہ کے بخار نے نکال دیئے، اب ان میں کیا رکھا ہے، آپؐ نے یہ بات سن لی تو آپ نے طواف میں خود بھی رمل کیا اور حضراتِ صحابہؓ کو بھی اس کا حکم دیا، جس کی صورت یہ کی گئی کہ طوافِ بیت اللہ کے پہلے تین چکروں میں سینہ تانے مونڈھے ہلاتے ہوئے تیز رفتاری کے ساتھ چلے، اور بقیہ چار چکروں میں عام رفتار رہی، ایسے ہی دورانِ رمل اضطباع بھی کیا گیا یعنی چادر کے داہنے سرے کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے کے اوپر ڈال دیا۔ یہی عمل سب حضرات نے کیا، اور پھر یہ دونوں باتیں ہمیشہ کیلئے سنت قرار پائیں جن پر آج بھی عمل ہوتا ہے۔

آپ ہر شوط یعنی چکر کا آغاز حجرِ اسود سے تہلیل و تکبیر اور استلامِ حجر کے ساتھ کرتے، اور رکنِ یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعائے قرآنی پڑھتے ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔

طواف سے فارغ ہو کر آپ مقام ابراہیم پر آئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی اور پھر مقامِ ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر کے دوگانۂ طواف ادا کیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ دونوں رکعتوں

میں قل یاایّھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد کی تلاوت فرمائی، نماز سے فارغ ہو کر پھر حجرِ اسود کے پاس پہونچ کر اس کی تقبیل کی، اور بابِ کعبہ اور حجرِ اسود کے درمیانی حصّہ یعنی ملتزم سے چمٹ کر دعائیں کی اور روئے۔

اس کے بعد آپ باب صفا کی طرف سے صفا پر پہونچے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی: انّ الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ نے پہلے صفا کا ذکر فرمایا ہے اور پھر مروہ کا، اس لئے میں بھی صفا سے شروع کرتا ہوں۔

پھر آپ نے کلمات توحید و تکبیر کہے، اور خدا کی عظمت و جلال کا ترانہ بایں الفاظ پڑھا:

لا الٰہ الّا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ لہُ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کلّ شیئٍ قدیر، لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ۔

یعنی اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ ایک ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی کا ملک ہے، اور ساری تعریف اسی کے شایانِ شان ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، کوئی بھی اس کے سوا عبادت کے قابل نہیں وہی یکتا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، اپنے

بندے کی مدد کی، اور خود ہی ساری فوجوں کو شکست دی یٰ اس کے بعد آپ نے دعائیں کیں۔

پھر آپ نے سعی شروع فرمائی اور صفا و مروہ کے درمیان سات چکر کئے، اس طرح کہ بطن وادی میں جہاں آج کل ہرے رنگ کے نشانات لگے ہوئے ہیں آپ لپک کر چلے، اور مروہ پر بھی آپ تکبیر و تہلیل کے ساتھ وہ کلمات پڑھتے جو صفا پر پڑھے ـــــ اس طرح ساتواں چکر مروہ پہ پورا فرمایا، اور وہاں کھڑے ہو کر آپ نے سب لوگوں کو آواز دی ـــــ اور فرمایا جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہیں لایا ہے وہ احرام کھولدے، میرے ساتھ چونکہ قربانی کے جانور ہیں اس لئے میرا احرام حج تک باقی رہیگا۔

چنانچہ جب یوم الترویہ یعنی ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ ہوئی تو آپ اسی احرام کی حالت میں اور بقیہ وہ حضرات صحابہ جنھوں نے بعد از عمرہ احرام کھولدیا تھا اب حج کا احرام باندھ کر بعد از طواف قدوم منیٰ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہونچ کر آپ نے ظہر عصر مغرب و عشاء اور اگلے دن نویں ذی الحجہ کی فجر کی نماز ادا فرمائی، جب سورج نکل آیا تو آپ عرفات کے لئے روانہ ہوئے جہاں نمرہ میں کہ اس وقت اس جگہ مسجد موجود ہے آپ کے حکم سے اون کا

خیمہ نصب کیا جا چکا تھا، قریش کو خیال تھا کہ ان کی اپنی بدعت کے مطابق آپ مشعر حرام پر ٹھہریں گے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ مزدلفہ سے آگے بڑھ کر عرفات میں وقوف فرمایا۔

جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ نے اپنی سواری قصواء، کو طلب فرمایا، اور اس پر سوار ہو کر وادئ عرفات کے درمیان میں پہونچے جہاں آپ نے وہ بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا کہ جو قیامت تک امتِ مسلمہ اور فلاح ونجات کی ہر خواہشمند قوم وملت کے لئے دستورِ حیات ہے، آپ نے فرمایا:

اے لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہ ہوں گے۔ لوگو، تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزّتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ آج کے دن اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت ہے. لوگو، عنقریب تمہیں خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔

دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

لوگو! جاہلیت کی ہر بات میرے قدموں تلے روندی جا چکی ہے، میں دورِ جاہلیت کے خون کے تمام جھگڑے ختم کرتا ہوں،

پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے وہ ربیعہ بن حارث کا ہے، جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اسے مار ڈالا تھا، میں اسے چھوڑتا ہوں، جاہلیت کے زمانہ کا سود ملیامیٹ کر دیا گیا۔ پہلا سود اپنے خاندان کا جس کو میں مٹاتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سب کا سب چھوڑ دیا گیا۔

لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا، اور خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لئے حلال کیا ہے، تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر میں کسی غیر کو نہ آنے دیں، لیکن اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی مار مارو جو نمایاں اور ظاہر نہ ہو۔

عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ اور اچھی طرح پہناؤ، لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، اور وہ قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے۔

لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ کوئی نئی امت تمہارے بعد آنیوالی ہے، یاد رکھو! اپنے پروردگار کی عبادت کرنی، پنجگانہ نمازیں ادا کرنی، ماہِ رمضان کے روزے رکھنے

اور اپنے مال کی زکوٰۃ خوشدلی سے ادا کرنی ہے، بیت اللہ کا حج کرنا اور اولوالامر یعنی قانونی سربراہوں کی اطاعت کرنی ہے۔ اس کے عوض تم اپنے رب کی جنت میں جاؤ گے ــــ لوگو! قیامت کے دن تم سے میرے متعلق سوال ہوگا، ذرا بتلاؤ تو کہ تم وہاں کیا جواب دوگے، سب نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے ہم تک اللہ کے احکام پہونچا دیئے، نبوت ورسالت کا حق ادا کردیا اور بھلائی کی باتیں ہم کو بتلا دیں، اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی کو اٹھایا، آپ اس کو آسمان کی طرف اٹھاتے پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے اور فرماتے جاتے، اے اللہ سن لیجئے اے خدا گواہ ہوجایئے یا الٰہی شاہد رہئے (کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں)۔

دیکھو جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں تک جو یہاں موجود نہیں ہیں یہ باتیں پہونچاتے رہیں، ممکن ہے بعض سننے والوں کے مقابلہ میں وہ لوگ زیادہ یاد رکھنے اور حفاظت کرنیوالے ہوں جن تک یہ باتیں پہونچائی جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ کو لوگوں تک بآواز بلند پہونچانے کی خدمت حضرت ربیعہ بن امیّہ بن خلف انجام دے رہے تھے۔

جب اس خطبہ سے فراغت ہوئی تو اسی جگہ یہ آیت قرآنی نازل ہوئی:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

اس کے بعد حضرت بلال نے اذان دی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ ظہر پڑھائی، اس کے بعد پھر نمازِ عصر ادا ہوئی اور ان دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی گئی، پھر آپ سوار ہو کر موقف میں تشریف لائے اور اس طرح کھڑے ہوئے کہ اونٹنی کا پیٹ چٹانوں کی سمت تھا اور ریتلا میدان آپ کے سامنے آپ قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو گئے اور مسلسل کھڑے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور اس عرصہ آپ مشغولِ حمد و دعا رہے اس کے بعد آپ مزدلفہ کے لئے روانہ ہوئے، آپ کے ساتھ آپ کی اونٹنی پر حضرت اسامہ بن زید بھی سوار تھے وہاں پہونچ کر آپ نے مغرب وعشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں، اور دونوں نمازوں کے درمیان کوئی تسبیح وغیرہ نہیں

پڑھی، پھر آپ نے اپنے معمول کے مطابق آرام فرمایا پھر جب اچھی خاصی صبح ہو گئی تو اذان واقامت کے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی اور اس کے بعد اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر مشعر حرام یعنی جبل قزح کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں قبلہ رخ ہو کر آپ نے تکبیر و تہلیل اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے ساتھ دعائیں فرمائیں اور خوب روشنی پھیل جانے تک آپ اسی طرح کھڑے رہے اس کے بعد سورج نکلنے سے پہلے آپ حضرت فضل بن عباس کو اپنی ہمراہ اونٹنی پر سوار کر کے روانہ ہوئے جب وادی محسر میں پہونچے تو آپ نے رفتار تیز کر دی اور اس وادی سے گذر کر پھر معمولی رفتار سے چلتے رہے اور درمیانی راستہ جو منیٰ میں جمرۂ کبریٰ پر پہونچتا ہے اس سے وہاں ہوتے ہوئے جمرۂ عقبہ پر پہونچے اور آپ نے اس پر چنے کے برابر سات کنکریاں ماریں، ہر کنکر پر آپ تکبیر و تہلیل کرتے، اس سے فارغ ہو کر آپ قربان گاہ تشریف لے گئے آپ اپنے ساتھ مدینہ منوّرہ سے جو قربانی کے جانور لائے تھے، اور پھر یمن سے آپ کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ جو جانور لائے تھے ان سب کی تعداد ایک سو ہو گئی تھی آپ نے ان میں سے ۶۳ اونٹوں کی خود اپنے ہاتھ سے قربانی فرمائی اور بقیہ ۳۷ اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے۔

قربان کئے گئے اور آپ نے حضرت علیؓ کو اپنی قربانی میں شریک قرار دیا، آپ کے حکم سے قربان کئے ہوئے ہر اونٹ کا تھوڑا تھوڑا گوشت ایک برتن میں پکایا گیا، جس کو آپ نے اور حضرت علیؓ نے تناول فرمایا اور اس کا شوربہ بھی نوش کیا، اس کے بعد آپ سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے، اور آپ نے طواف افاضہ کیا اور نماز ظہر ادا کی اس کے بعد آپ زمزم پر تشریف لائے جہاں بنی عبدالمطلب پانی پلایا کرتے تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ پانی نکالو، اگر مجھے لوگوں کے ٹوٹ پڑنے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں بھی تمہارے ساتھ ملکر پانی نکالتا، وہاں آپ نے زمزم نوش فرمایا۔

اور اس طرح آپ کے ارکانِ حج پورے ہو گئے۔

یہ ہے تفصیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی، یہی آپ کا آخری حج تھا، اس کے علاوہ آپ نے چار عمرے بھی کئے تھے، اور بعدِ ہجرت پانچ مرتبہ مکہ مکرمہ میں آپکا داخلہ ہوا تھا، جس کی تفصیلات کتب حدیث و سیرت میں موجود ہیں۔

نعت شریف

غنچۂ دل کُشا کِھلا، صلِّ علیٰ محمّد
باغِ جہاں مہک اٹھا، صلِّ علیٰ محمّد
صبحِ ازل کی آبرو، شامِ ابد کی آرزو
تشنہ لبوں کا آسرا، صلِّ علیٰ محمّد
حُسن کی ایک ادا ہے وہ، عشق کی ایک صدا ہے وہ
فضلِ خدا کی انتہا، صلِّ علیٰ محمّد
کفر کی ظلمتوں کو وہ بقعۂ نور کر گیا
سارا زمانہ کہہ اٹھا، صلِّ علیٰ محمّد
ان کی ہدایتیں درست ان کی روایتیں بجا
مرکزِ خیر اور ہُدیٰ، صلِّ علیٰ محمّد
تیرے وجودِ پاک سے کفر کا زور گھٹ گیا
شرک کا نام مٹ گیا، صلِّ علیٰ محمّد
سارے جہاں میں غلغلہ تیرے ظہور کا ہوا
سرد ہوا صنم کدہ، صلِّ علیٰ محمّد
قیصرِ غم نواز کو رحمتِ خاص سے ملے
آپ کا لطفِ بے بہا، صلِّ علیٰ محمّد

مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر مرحوم